ماہنامہ

نعت

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمانی استقامت، نیک اعمال اور دعاؤں کی قبولیت کے لیے ہمیشہ :

☆ سچ بولیے۔ ☆ غیبت اور لغویات سے اجتناب کیجئے۔

☆ رزق حلال کمائیے۔ ☆ اہل اللہ اور صالح حضرات کی صحبت اختیار کیجئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ نعت لاہور

جلد ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۰ء شمارہ ۱۰

تحقیق / سرقہ

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

مشیرِ خصوصی: چوہدری رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ

ڈپٹی ایڈیٹر: شہناز کوثر، اظہر محمود

مینجر: اختر محمود

قیمت ۱۵ روپے (عام شمارہ)
۶۰ روپے (اشاعتِ خصوصی)
۲۰۰ روپے (زرِ سالانہ)
عرب ممالک کے لیے : ۱۰۰ ریال

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر، جیم پرنٹرز۔ لاہور

پبلشر: راجا رشید محمود

کمپیوٹر کمپوزنگ: نعت کمپوزنگ سنٹر

خطاط: منظر رقم

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید، بک بائنڈنگ ہاؤس، ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور

اظہر منزل۔ مسجد سٹریٹ نمبر ۵۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ

فون ۷۴۶۳۶۸۴ لاہور (پاکستان) پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰

یہ شمارہ ستمبر اکتوبر کا مشترکہ شمارہ ہے

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھائی۔ قلم کے لکھے کی قسم کھائی۔

مطلب یہ کہ قلم سچ لکھے اور سچ کے سوا کچھ نہ لکھے۔

جب قلم کی زبان پر حق نہ آئے۔

جب قلم ہی جھوٹ سے تعلق جوڑ لے۔

تو جس ہاتھ میں ایسا قلم ہو' اسے کیا کہا جائے گا؟

جو لوگ حق کی خاطر سر جھکانے والی کلک کو حق کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں' کیا وہ قادر و قدیر خالق سے لڑنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

بحر تحقیق میں غواصی کے ذریعے علم کے موتی کھوجنے کے بجائے اگر کوئی شخص چوری کے ارتکاب سے اپنی تجوری بھرنا چاہتا ہے تو اس جہان میں بھی کبھی نہ کبھی اس کے کارنامے کی اصلیت ظاہر ہو سکتی ہے' اور اگلے جہان میں تو یقیناً وہ خائب و خاسر ہوگا۔

ڈاکٹریٹ کے کسی مقالے میں اگر چوری کا مواد وافر پایا جاتا ہے تو اس مقالے کے نگران' ممتحن' متعلقہ یونیورسٹی' سب کی نیک نامی خطرے میں پڑ جاتی ہے......اور ملک کی عزت بھی برباد ہوتی ہے۔

کوئی ہے جو ایسے چوروں کو قرار واقعی سزا دے۔

ش۔ک

تحقیق / سرقہ

تحریر:

ڈاکٹر محمد سلطان شاہ

فہرست

سَخُنانِ چند

زیرِ نظر شمارے کا پہلا حصہ محمد مظفر عالم جاوید صدیقی کے پی ایچ ڈی کے مقالے سے متعلق ہے جس میں ان کی تحقیق کی حقیقت بے نقاب کی گئی ہے اور اس میں ''سرقہ'' کا پتا چلایا گیا ہے۔ اگر ڈاکٹر صدیقی اپنے ماخذ و مراجع کے حوالے دیانتداری سے درج کرتے اور یوں سرقہ بازی نہ کرتے تو میں انھیں داد و تحسین پیش کرتا۔ میری زیرِ نظر تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ان اربابِ ذوق کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے، تاکہ آیندہ اس قسم کی حرکتوں کا دروازہ بند کیا جا سکے جو ہمارے روبہ تنزل تعلیمی معیار کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کے مقالات اور ان پر دی جانے والی ڈگریوں کے قواعد و ضوابط پر نظرِ ثانی کرنے پر متوجہ کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں علمی، ادبی اور مذہبی کتب میں کیے گئے سرقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس میں کسی خاص ادبی جتھے یا کسی خاص مسلک کو نشانہ نہیں بنایا گیا، بلکہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی سعی کی گئی ہے اور تیسرے حصے میں دانش گاہوں میں ہونے والی تحقیق کے معیار میں آنے والی پستی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ زیرِ نظر شمارہ تحقیقی دنیا کے طالب علموں کی رہنمائی کے لیے سُودمند ثابت ہوگا۔ ہماری جامعات کے اربابِ اختیار کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ وہاں تحقیق کی نگرانی کرنے والے اور تحقیقی مقالات پر اعلیٰ ترین ڈگری کی سفارش کرنے والے ایسے سارقین کی چالاکیوں سے بے خبر کیوں ہیں یا پھر ستائشِ باہمی کے تحت اپنے ہم پلہ نگرانوں کا نام دیکھ کر بغیر مطالعہ کے رپورٹ کی کارروائی پوری کر دیتے ہیں۔

حصہ اول

پی ایچ ڈی کے ایک مقالے کا ناقدانہ جائزہ

عنوان: اردو مولود نامے۔۔۔ تحقیق، تنقید، تاریخ

مقالہ نگار: ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی

نگران: پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد

شعبہ: اردو و اقبالیات

یونیورسٹی: اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

مقالہ کی طباعت بعنوان: اردو میں میلاد النبی ﷺ ۔۔ تحقیق، تنقید، تاریخ

ناشر: فکشن ہاؤس لاہور

تاریخ اشاعت: مارچ ۱۹۹۸

قیمت: ۷۰۰ روپے

مقالے کا عنوان

ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی صاحب کے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان ہے ''اُردو مولود نامے...... تحقیق، تنقید اور تاریخ'' جس پر انہیں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا ہے۔ اور انہوں نے یہ مقالہ ڈاکٹر شفیق احمد صاحب کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ بعد میں انہوں نے اسے ''اردو میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ راقم نے کافی محنت کے بعد اس کا سراغ لگایا ہے کہ اس موضوع پر بھارت میں پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کیا جا چکا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صدیقی نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ڈاکٹر قاضی شہاب الدین کا تھیسس (Thesis) ہے جس کا عنوان ''اردو میں میلاد نامے'' ہے جو انہوں نے ناگ پور یونیورسٹی میں 64ء میں پی ایچ ڈی کے لئے پیش کیا تھا (۱) یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ 64ء کے بعد اُردو میں مولود نامے نہیں لکھے گئے لیکن اس کے بعد اُردو میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرتِ طیبہ پر بہت کتب لکھی گئیں۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کے جواز اور رد میں تو بہت کچھ لکھا گیا اور مولود نگاری کی جگہ سیرت نگاری نے لے لی۔ لہذا یہ قرینِ قیاس ہے کہ صدیقی صاحب نے ڈاکٹر قاضی شہاب الدین کے مقالے سے ''بھرپور'' استفادہ کیا ہو۔ جیسا کہ اردو میں آج کل ہو رہا ہے۔ اس کا ذکر

ڈاکٹر میاں انوار الدین سدید المعروف انور سدید نے اپنے اخباری کالم ''گفت نی'' میں کیا ہے:

''ایک مرتبہ دہلی جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کچھ شرمندگی تو ہمیں پاکستانی شاعروں کی خمار باختگی پر ہوئی لیکن زیادہ افسوس یہ سن کر ہوا کہ بعض پاکستانی محقق دہلی اور لکھنؤ کی یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کے مقالات فوٹو کاپی کرا کے لے آتے ہیں اور معمولی ردوبدل کر کے سب کچھ اپنے نام کر لیتے ہیں۔ ہم نے بالخصوص ایک صاحب الموسوم طاہر ہانسوی کا ذکر سنا، جو لکھنؤ میں احمد حسین نقوی غریبؔ پر لکھے ہوئے مقالہ کی تلاش میں محمود مہر صاحب کے ساتھ ڈیڑھ دو ماہ تک سرگرداں رہے اور آخر ''گلِ مراد'' تلاش کر کے لوٹ آئے، اب وہ نامی گرامی پاکستانی پروفیسر ڈاکٹر طاہر ہانسوی ہیں۔'' (۲)

ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی صاحب نے ڈاکٹر انور محمود خالد کے مقالہ کے جن مقامات سے فراخ دلی سے سرقہ کیا ہے، ان میں سے ایک مقام کے فوراً بعد ڈاکٹر قاضی شہاب الدین کے مقالہ کا ذکر ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صدیقی مذکورہ مقالہ سے ہرگز بے خبر نہیں۔ پی ایچ ڈی سطح پر لکھے گئے مقالات میں مقالہ نگار حضرات اتنی دیانت داری اکثر کرتے ہیں کہ ان مقالات کا ذکر کر دیتے ہیں۔ جو اُن سے قبل اس موضوع پر پیش کئے جا چکے ہوتے ہیں یا پھر ان کے ریفرنس کہیں نہ کہیں ضرور دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند مقالات کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی نے کراچی یونیورسٹی میں

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کی رہنمائی میں " اردو میں تفسیری ادب ۔ ایک تاریخی اور تجزیاتی جائزہ" کے آغاز میں لکھا کہ ان سے قبل " ڈاکٹر عبدالحمید شطاری نے ۱۹۱۴ء تک لکھی جانے والی تفاسیر پر کام کیا ہے۔(۳) ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں جو انہوں نے جون ۱۹۸۳ء میں مکمل کیا ' اپنے کام سے قبل اس موضوع پر کی گئی تحقیق کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

" نعت کے بارے میں شائع ہونے والی پہلی اہم تصنیف ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب " اردو کی نعتیہ شاعری" (۱۹۷۴ء) ہے ...... سید رفیع الدین اشفاق کا مقالہ " اردو میں نعتیہ شاعری" اگرچہ ۱۹۵۳ء میں مکمل ہوا مگر اس کی اشاعت ۱۹۷۶ء میں ہوئی"(۴)

اسی طرح استادِ محترم جسٹس ڈاکٹر منیر احمد مغل نے مولانا عبید اللہ سندھی کی اردو تفسیر کی جلد اول (سورۃ الفاتحہ وسورۃ البقرہ) سے متعلق اپنا مقالہ " تفسیر المقام المحمود ...... تنقیح، توضیح، تشریح" پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ کی نگرانی میں مکمل کیا تو انہوں نے اپنے پیش رو کا ذکر ضروری سمجھا اور اعتراف کیا " محترم الحاج پروفیسر محمد حاجن کا شکر گزار ہوں کہ ان کے مقالہ نے میرا کام بہت حد تک آسان کر دیا اور برسوں کی منزلیں مہینوں میں طے ہو گئیں"(۵) لیکن ان مقالات کی ڈاکٹر صدیقی کی " تحقیق" سے کوئی مماثلت نہیں کیونکہ ڈاکٹر نسیم عثمانی سے قبل ڈاکٹر شطاری نے ۱۹۱۴ء تک کی تفاسیر پر کام کیا تھا لیکن اس کے پون صدی بعد جب ڈاکٹر عثمانی مرحوم نے اسی موضوع پر تحقیق کی تو اردو میں عظیم

تفسیری سرمایہ منظرِ عام پر آ چکا تھا۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء کے ٹھیک ۳۰ برس بعد جب ڈاکٹر ریاض مجید نے نعتیہ شاعری کے بارے میں مقالہ لکھا تو نعتیہ کلام اور اس کے متعلق اتنا کچھ لکھا جا چکا تھا' کہ اس سے قبل اردو شاعری میں اس کی نظیر نہیں ملتی' جب کہ ڈاکٹر صدیقی صاحب نے جو موضوع لیا ' اس پر ان کے پیش رو محقق ڈاکٹر شہاب الدین قاضی کے بعد کوئی قابلِ ذکر مولود نامہ نہیں لکھا گیا۔ صدیقی نے ۱۹۶۴ء کے بعد کچھ لکھی گئی چند کتب کو مولود نامے بنا کر پیش کیا ہے لیکن ان کی تعداد انتہائی کم ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز ڈاکٹر شہاب الدین کے مقالہ سے صدیقی صاحب کے " سرقہ" کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انہوں نے پورے مقالے میں حتیٰ کہ عنوانات کے الفاظ میں بھی " مولود نامہ" کی جگہ " میلاد نامہ" لکھا ہے حالانکہ جب وہ " اردو مولود نامے" کے عنوان پر تحقیق کر رہے تھے تو انہیں یہی لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا اور مقالات میں اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ عنوان میں استعمال کیے گئے لفظ کو اہتمام کے ساتھ عنواناتِ مباحث میں استعمال کیا جائے۔

نامور دانشوروں کے تاثرات

ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی نے " اردو میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " کے عنوان سے طبع ہونے والے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے فلیپ پر نو مذہبی اور علمی و ادبی شخصیات کے تاثرات کو بطورِ خاص چھپوانا ضروری گردانا۔ جن اہلِ

علم و دانش سے منسوب پیغامات اس پر موجود ہیں' ان میں سے حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' مولانا شاہ احمد نورانی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری (یوپی انڈیا) نے تو مقالہ کی اشاعت پر دلی مبارک باد اور صد ہا ہدیہ ٔ تبریک کے الفاظ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان اور میر اکبر علی ابوالکلام اورئینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدر آباد (دکن بھارت) نے اسے شاندار کارنامہ قرار دیا۔ پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد شعبہ ٔ اردو دہلی یونیورسٹی کی رائے میں "اس تحقیقی مقالہ نے فی الحقیقت اردو کے دینی و علمی ادب میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ یہ مقالہ ناقدین و محققین کے لئے یقیناً راہنما ٹھہرے گا"۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اسے "دینی ادب کے ذخیرے میں ایک لازوال اضافہ" سمجھا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی (نئی دہلی) کا پیغام اس طرح چھپا ہے "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر اس قدر وقیع، ضخیم اور مبسوط تحقیقی مقالہ کی اشاعت پر بے حد خوشی ہوئی ہے"۔ لیکن سب سے منفرد رائے پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعداری آف گجرات نے دی ہے۔ فرماتے ہیں "جاوید نے اردو ادبیات میں میلاد النبی ﷺ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اردو ادبیات میں لکھے گئے میلاد ناموں کی تلاش میں برِ صغیر پاک و ہند کا گوشہ گوشہ چھان مارا اور ایک عرصہ کی جستجونہ مساعی سے زیرِ نظر مجموعہ تیار کیا ہے۔ اس عظیم کارنامہ سے انہوں نے دونوں جہان کی سعادت سمیٹ لی ہے۔ اس مجموعہ کے جوہر و جواہر اُن کے نام کو ہمیشہ کے لیے زندۂ جاوید کر دیں گے"۔

راقم الحروف کے نزدیک جو کتاب' مقالہ یا رسالہ معیاری ہوتا ہے' اسے ایسی بیساکھیوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ میری کتاب "بھٹو اور قادیانی مسئلہ" پر کسی کی تقریظ ہے نہ مشاہیر کی آرا' پھر بھی خوب بک رہی ہے۔ اس سلسلہ میں راجا رشید محمود کے یہ الفاظ لائقِ مطالعہ ہیں۔

"میں کرم فرماؤں کو بہت سمجھاتا ہوں کہ مقدمے' پیش لفظ' تقاریظ' آرا اب "آؤٹ ڈیٹڈ" بیساکھیاں ہیں۔ نہ کوئی لکھنے والا انصاف کرتا ہے' نہ کوئی پڑھ کر متأثر یا مرعوب ہوتا ہے اس لئے اب کسی کو اپنی کتاب پر کسی سے کچھ نہیں لکھوانا چاہیے"۔

ڈاکٹر احمد حسین قلعداری کی اس مقالہ کے بارے میں تعریف کی قلعی اس وقت کھل جائے گی جب آپ آئندہ صفحات کا مطالعہ کریں گے۔

مقالہ کی ابواب سازی

اس مقالے کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

- پہلا باب: میلاد کے تمہیدی مباحث/ موضوع و فن
- دوسرا باب: محرکات و مآخذ/ عربی/ فارسی پس منظر
- تیسرا باب: جنوبی ہند میں میلاد ناموں کا آغاز و ارتقاء
- چوتھا باب: شمالی ہند میں میلاد ناموں کی روایت کا جائزہ / ارتقاء

پانچواں باب: میلادناموں کا دورِ جدید (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء)

......۱

حصہ اول

(۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۰ء)

چھٹا باب: میلادناموں کا دورِ جدید (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء)

......۲

حصۂ دُوُم

(۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء)

ساتواں باب: عصرِ حاضر کے میلادنامے

(۱۹۴۸ء تا ۱۹۹۰ء)

آٹھواں باب: متفرقات

i) خواتین کے میلادنامے

ii) نامعلوم مصنفین کے میلادنامے

iii) غیر مسلم شعراء کی میلادیہ منظومات

iv) دنیائے اسلام میں جشن ہائے میلادالنبی ﷺ کا انعقاد

ڈاکٹر صدیقی صاحب کے مقالہ میں ابواب سازی میں بھی Originality کا عُنصر نظر نہیں آتا۔ اگر ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ ''اردو میں

نعت گوئی'' پر ایک نظر ڈالیں تو ڈاکٹر صدیقی صاحب کا کارنامہ صرف اتنا نظر آتا ہے کہ انہوں نے ''نعت'' کے لفظ کو ''میلادناموں'' سے بدل دیا ہے۔ صرف ڈاکٹر ریاض کے پانچویں باب کو انہوں نے پانچویں اور چھٹے باب میں تقسیم کیا اور اس طرح انہوں نے دونوں ابواب میں ''انتہائی بدسلیقگی'' سے سنین درج کر کے اپنی بے مثل صلاحیتوں کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالے کے ابواب یہ ہیں۔

پہلا باب: نعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور موضوع و فن

دوسرا باب: محرکات و مآخذات / عربی فارسی پس منظر

تیسرا باب: اردوئے قدیم کے نعتیہ نمونے اور جنوبی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ

چوتھا باب: شمالی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ

پانچواں باب: عصرِ جدید کی نعت گوئی

چھٹا باب: عصرِ حاضر کی نعت گوئی

ضمیمے: 1- احادیثِ نبوی ﷺ میں لفظ نعت کا استعمال

2- اسمائے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

3- شروحِ بُردہ

4- میلادنامے

5- غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام

6- خواتین کی نعت گوئی

7- نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کا جائزہ

ڈاکٹر صدیقی صاحب نے ڈاکٹر ریاض مجید کے پہلے سات ابواب سے "نعت" کو "میلاد ناموں" سے بدل کر اپنا لینے کے بعد اپنے آٹھویں باب کے لئے بھی ان کے ضمیموں میں شامل دو عنوانات اپنے متفرقات میں شامل کر لیے۔

تحقیق یا سرقہ

ڈاکٹر انور سدید نے لکھا۔ "جن مقالات پر سزا دی جانی چاہیے، ان پر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں دی جا رہی ہیں" (۷)۔ دیکھنا چاہیے کہ ایسے مقالات کون سے ہیں۔

مظفر عالم جاوید صدیقی نے "حرفِ آغاز" میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ برِ صغیر پاک و ہند میں میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر یہ پہلی تحقیقی کاوش ہے (۸)۔ اولاً وہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں پیش کئے گئے مقالہ "اردو مولود نامے" کو میلاد النبی ﷺ قرار دے رہے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ میلاد النبی ﷺ پر کئی کتب و رسائل موجود ہیں۔ رسائل میں ماہنامہ "نعت" لاہور کو دیگر رسائل و جرائد پر فوقیت حاصل ہے کہ سب سے پہلے اس کے چار میلاد النبی ﷺ نمبر شائع ہوئے۔ اس سے قبل جن رسائل کے "میلاد نمبر" شائع بھی ہوئے تھے، اصل میں وہ "رسول ﷺ نمبر" ہی تھے۔ ماہنامہ "نعت" کے بعد ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور

کی طرف سے میلاد النبی ﷺ کے متعلق خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا گیا جو ناقص پروف ریڈنگ کے باوجود بڑا معیاری اور تحقیقی میلاد نمبر تھا۔ اس طرح دیگر رسائل نے بھی کوششیں کی ہوں گی جن میں سے ماہنامہ "نور الحبیب" بصیر پور کا "میلاد النبی ﷺ نمبر" قابلِ ذکر ہے۔ یہ تمام خاص نمبر صدیقی صاحب کی تحقیق سے قبل شائع ہو چکے تھے۔ پس برصغیر پاک و ہند میں میلاد النبی ﷺ پر سب سے پہلے تحقیقی کام کرنے کا مقالہ نگار کا دعویٰ سراسر غلط ہے۔

ثانیاً جس کو صدیقی صاحب "پہلی تحقیقی کاوش" کہہ رہے ہیں، یہ تحقیق ہرگز نہیں بلکہ سرقہ ہے۔ جس کے ثبوت آئندہ صفحات میں فراہم کیے جا رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی نے اپنے مقالے کے باب اول میں صفحہ ۴۷ پر نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی ولادت باسعادت کا عنوان قائم کیا ہے، اور پھر صفحہ ۵۶ تک بارہ ذیلی عنوانات کے تحت اپنی تحقیق کے جھنڈے گاڑنے کے لیے ایسی حرکت فرمائی جس میں راقم الحروف (محمد سلطان شاہ) اُن کا شکار بنا اور یہ حقیقت ہے کہ ان کی یہ حرکت دیکھ کر ان کی عقل پر رونا آیا۔ کاش صدیقی میاں تحقیق میں صداقت کا دامن تھامتے اور علمی خیانت کے مرتکب نہ ہوتے۔ اربابِ تحقیق جانتے ہیں کہ یہ کام انتہائی محنت طلب ہوتا ہے اور خاص طور پر ایسے شخص کے لیے جسے کوئی ایک کتاب یا رسالہ تلاش کرنے کے لئے کئی کتب خانوں کے چکر لگانا پڑیں اور نہ جانے اسے اس کاوش میں کتنے لوگوں کا احسان مند ہونا پڑے۔ لیکن پانچ دس نہیں، سیکڑوں حوالے ڈکار جانے والے کو

اس جانکاہی کا کیا علم، اسے تحقیقی کاوش میں حائل رکاوٹوں کی کیا خبر، اسے اس کام پر خرچ ہونے والے سرمائے کی کیا پروا۔ وہ تو فقط ایسا دیمک ہے جو قلم کے ذریعے قرطاس پر زندہ رہنے والوں کے نام چاٹ کر اپنی اشتہا مٹاتا ہے۔

راقم الحروف نے ماہنامہ نعت لاہور کے میلادالنبی ﷺ نمبر (حصہ اول) کے لیے ایک تحقیقی مقالہ ''یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ'' لکھا جو اس ماہنامہ کے اکتوبر ۱۹۸۸ کے شمارے میں ''یومِ ولادتِ رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء'' کے عنوان سے چھپا (۹)۔ یہ مضمون اسی کتابت کے ساتھ مرکزی مجلسِ امام اعظم لاہور نے ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا اور اس کا نام ''حضور ﷺ کی تاریخِ پیدائش'' رکھ دیا (۱۰)۔ چونکہ اہلِ علم طبقہ بالخصوص حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر تحقیق جاری رکھنے پر زور دیا اس لیے راقم نے اسے ۱۲۸ صفحات پر پھیلا دیا اور وطن پبلشرز لاہور نے محترم گل محمد فیضی کے زیرِ اہتمام اسے ''یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ'' کے نام سے کتابی شکل میں اکتوبر ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ جب ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور نے نومبر دسمبر ۱۹۸۹ میں ''عید میلادالنبی ﷺ نمبر'' نکالا تو اس میں بھی اس کی تلخیص مندرجہ بالا نام سے ہی طبع ہوئی (۱۱)۔

چونکہ اس میں پہلی بار علامہ شبلی نعمانی کی فلکی پاشا کے حسابات سے متعلق تحقیق کو چیلنج کیا گیا تھا اور حوالہ جات سے ٹھوس حقائق کی روشنی میں اس کا رد کیا گیا تھا اس لیے اسے بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ نے اس کی بہت تعریف کی اور ''ضیاء النبی ﷺ'' میں اس کا حوالہ

بھی دیا (۱۲)۔ ادھر صدیقی صاحب نے اسے مالِ مفت سمجھتے ہوئے ڈکار جانے کی کوشش کی۔ اُن کا خیال ہوگا کہ کہاں رسائل کے مطبوعہ مضامین اور کہاں میرا مبسوط مقالہ؟ اس ملک میں پڑھتا کون ہے؟ میری چوری کیسے پکڑی جائے گی؟ اور پی ایچ ڈی کی ڈگری ملنے کے بعد اسے کون دُزدیدہ تحقیق مانے گا؟ مگر حضرت اس قحط الرجال میں بھی کوئی ایک آدھا شخص کتاب دیکھتا بھی ہے، مطالعہ کرتا بھی ہے اور آپ ایسے سارقین کو پکڑ کر دنیائے علم وادب کے منصفوں کے سامنے پیش کرتا بھی ہے۔

صدیقی صاحب نے ''سرقہ'' کے لیے ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کے عیدِ میلادالنبی ﷺ نمبر پر انحصار کیا ہے۔ انہوں نے میرے مضمون سے ۱۲ عنوانات تک مِن وعَن اپنا لیے اور جس طرح بلا سوچے سمجھے کئی صفحات نقل کر دیئے، یہ بڑی جرأت کا کام ہے۔ مناسب یہی ہے کہ اُن کے مقالہ کے چند اقتباسات پیش کئے جائیں اور پھر ''یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ'' کے ان مقامات کی نشاندہی کی جائے جہاں سے انہیں چُرایا گیا ہے۔ یہ مقالہ نگار ''حضور ﷺ کی ولادت کا سال'' کے زیرِ عنوان صفحہ ۴۷ پر نقل کرتے ہیں۔ ''نبی کریم ﷺ کے سالِ ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں: ...... نبی علیہ السلام عامُ الفیل میں پیدا ہوئے (۱۳)۔

یہ طویل اقتباس ''ولادت کا سال'' کے زیرِ عنوان ماہنامہ ضیائے حرم کے عیدِ میلادالنبی ﷺ نمبر سے یا راقم کی تالیف ''یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ'' سے مِن وعَن

نقل کیا گیا ہے۔ بس بعض مقامات پر حضور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمِ گرامی کے بعد درود وسلام کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں: اس عبارت میں ۲۶ کتب کے حوالہ جات بھی مقالہ نگار نے میرے مضمون سے چرائے ہیں اور حضور سید الانام علیہ التحیہ والسلام کی ناراضی کا ذرہ برابر خوف سارق کے دل میں نہیں آیا۔ کہیں اصل مآخذ کا ذکر نہیں کیا گیا جو اس عہد کے اخلاقی انحطاط کی عکاسی ہے۔

اس کے بعد ''ماہِ ولادتِ نبی کریم ﷺ'' کے زیرِ عنوان انہوں نے پھر راقم کے مضمون پر ڈاکا ڈالا۔ چنانچہ ''یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ'' سے صفحہ ۴۹ پر نقل کرتے ہیں: ''سال ولادت کے مہینے میں بھی اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے............اس کی تائید حضرت سعید بن المسیّب کی روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ (ﷺ) کی اس جہانِ رنگ و بو میں تشریف آوری کا مہینہ ربیع الاول قرار دیا گیا ہے (۱۴)۔

صدیقی صاحب نے یہ اقتباس اور اس کے تمام حوالے بھی راقم الحروف کے مذکورہ مضمون سے چرائے ہیں۔ صرف دو مقامات سے انہوں نے ایک دو جملے حذف کیے ہیں۔ مندرجہ بالا پیراگراف میں انہوں نے ذرا چالاکی کی کوشش کی ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کا رسالہ حاشیہ نمبر ۱۱۰ کے مطابق انہوں نے نہیں دیکھا لیکن حاشیہ نمبر ۱۱۸ کے مطابق انہوں نے اصل رسالہ دیکھ لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس موضوع پر انہوں نے کوئی کتاب کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ ان

کے پیشِ نظر فقط ماہنامہ ''نعت'' اور ماہنامہ ''ضیائے حرم'' کے میلاد النبی ﷺ نمبر تھے۔ یہاں انہوں نے ماہنامہ نعت کے خاص نمبر بعنوان میلاد النبی ﷺ (حصہ سوم) سے ڈاکٹر عبدہٗ یمانی، مولانا جعفر پھلواروی اور شفیق بریلوی کے حوالے لے لیے ہیں جو مدیرِ نعت کی صاحبزادی عزیزہ شہناز کوثر کے مضمون ''حیاتِ طیبہ میں ربیع الاول کی اہمیت'' سے ماخوذ ہیں (۱۵)۔

اب مقالہ نگار حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تاریخِ ولادت کے ذکر کے لیے راقم الحروف کے مضمون سے سرقہ کا ارتکاب کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں۔ ''آپ (ﷺ) کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی، اس میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ قسطلانی نے ۲ ربیع الاول سے ۱۸ ربیع الاول کے درمیان بتائی ہے۔ مولانا احمد رضا بریلوی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے متعلق سات قول ہیں۔ دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ اور بائیس''۔ (۱۶)

مندرجہ بالا سطور بھی راقم کے مضمون سے لی گئی ہیں اور دونوں حوالے وہی نقل کیے گئے ہیں جو میرے مضمون کے حواشی میں درج ہیں۔

دوم ربیع الاول کے تحت ساری عبارت راقم کے مذکورہ مضمون سے نقل کی گئی (۱۶۔الف)۔ ایک جگہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کی جگہ ''آپ'' لکھ دیا گیا ہے۔ پنجم ربیع الاول کے زیرِ عنوان تو اس طرح سرقہ کیا گیا کہ دونوں میں ایک شوشے کا فرق بھی نہیں (۱۶۔ب)۔ ہشتم ربیع الاول کے زیرِ عنوان مکمل طور پر میرے مضمون پر انحصار کیا گیا ہے (۱۶۔ج)۔ صرف المسعودی کی کتاب کا نام

حذف کر دیا گیا ہے، چاروں حوالے من وعن نقل کر دیے گئے ہیں۔ نہم ربیع الاول کے ذکر میں ۱۸ ریفرنس راقم کے مضمون سے سرقہ کیے گئے ہیں (۱۷)۔ دوازدہم ربیع الاول کی بحث میں ۳۱ حوالے نقل کرنے کی جسارت کی گئی ہیں (۱۹) اور کہیں اصل مآخذ یعنی راقم کے مضمون کا حوالہ نظر نہیں آیا۔ سترہ ربیع الاول کے تحت ساری تحقیق حرف بحرف چرالی گئی ہے (۲۰)۔ اسی طرح اٹھارہ اور بائیس ربیع الاول کا حوالہ بھی راقم کے مضمون سے لیا گیا ہے (۲۱)۔ اس کے بعد ''ولادت باسعادت کا دن'' کے زیر عنوان تمام ''تحقیق'' ۱۰ کتب سے اس موضوع پر دی گئی بحث مع حوالہ جات چرالی گئی ہے (۲۲)۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ صدیقی صاحب نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے صرف ''نقل'' کی زحمت کی ہے۔ اُن کے مقالہ کا انحصار ''تحقیقِ مسروقہ'' پر ہے لیکن اسے وہ اپنے لیے وسیلۂ شفاعت اور اپنے والدین کے لیے باعثِ مغفرت سمجھ رہے ہیں۔ انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خیانت تو منافقت کی علامت ہے اور منافقین کا انجام تو کفار سے بھی بدتر ہوگا۔

دوسرے باب میں مقالہ نگار نے مذاہبِ سابقہ کی الہامی اور مذہبی کتب کو میلاد ناموں کا ایک مآخذ قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے زیرِ نظر مطبوعہ مقالہ ''اُردو میں میلاد النبی ﷺ'' کے صفحہ ۱۸۹ تا ۲۱۱ پر ''الہامی صحائف اور مذہبی کتب میں حضور ﷺ کی بشارات اور مدحیہ انداز میں ذکر'' کے عنوان کے تحت جو طویل بحث دی ہے وہ راقم الحروف (محمد سلطان شاہ) کے ایک تحقیقی

مقالہ ''مقدس کتب کی بشارت'' سے چوری شدہ ہے جو ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور کے میلاد النبی ﷺ نمبر میں نومبر، دسمبر ۱۹۸۹ میں طبع ہوا تھا۔ دراصل ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے اس خاص نمبر کی اشاعت میں راقم الحروف نے اس وقت کے ایڈیٹر گل محمد فیضی صاحب کی بھرپور اعانت کی تھی، اور انہوں نے جن موضوعات پر لکھنے کے لیے کہا، انہیں لکھ دیا۔ یہ مضمون راقم الحروف اور علامہ محمد اشرف سیالوی کی مشترکہ کاوش کے طور پر چھپا تھا اور قبلہ ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ نے بہت پسند فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر علامہ سیالوی کی کتاب موجود تھی۔ مدیرِ ضیائے حرم نے مجھے دی اور اس کی تلخیص کرنے کو کہا لیکن میں نے اصل کتب دیکھنا شروع کیں اور مضمون موجودہ شکل اختیار کر گیا۔ لیکن گل محمد فیضی صاحب نے ان کا نام بھی لکھ دیا اور میں نے اس لیے اصرار نہیں کیا کہ علامہ سیالوی اس مضمون پر پہلے لکھ چکے ہیں۔ راقم الحروف نے خود انجیلِ مقدس کی تمام آیات تسلی کر لینے کے بعد نقل کیں اور انجیل برنباس جس کا ایک نسخہ بزبانِ انگریزی میرے پاس موجود ہے، سے بعض انگریزی اقتباسات نقل کیے۔ مذکورہ بالا مضمون سے صدیقی صاحب نے نقل کرتے وقت بددیانتی کی انتہا کر دی۔ اگر وہ اس کا حوالہ دے کر اسے اپنے مقالہ میں شامل کر لیتے تو کوئی حرج نہ تھا۔ انہوں نے تو متن کے ساتھ ساتھ حوالے بھی چوری کر لیے اور اسے اپنی تحقیق کے طور پر پیش کیا۔ صدیقی صاحب نے اس مضمون سے جس طرح ''سرقہ'' کیا، اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

مقالہ نگار نے صفحہ ۱۹۰ پر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ اور سورۃ الصّف کی آیت ۶ کا متن مع ترجمہ لکھا ہے جو مذکورہ بالا مضمون میں ضیائے حرم کے میلاد النبی ﷺ نمبر میں ملاحظہ یا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صدیقی نے سورہ آلِ عمران کی آیت ۸۱ کا صرف ترجمہ دیا ہے حالانکہ راقم الحروف نے آیت کا متن اور ترجمہ لکھا تھا۔ اس کے بعد ابن ابی حاتم، حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجھہ، اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، کی روایات لفظ بلفظ میرے مضمون سے چوری کی ہیں لیکن ریفرنس میرا درج کردہ ہی لکھ دیا۔ حال یہ ہے کہ اس کے بعد کی عبارت کے میرے الفاظ بھی معمولی تبدیلی کے بعد یوں نقل کر دیے ہیں۔ ''اس میثاق کے مطابق یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر پیغمبرؑ نے اپنے اپنے عہد میں حضورؐ کی آمد کی خبر اپنی امت کو دی اور انہیں حضورؐ کی تشریف آوری پر ایمان لانے کی تاکید کی۔ قدیم صحائف تحریف اور ردوبدل کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ تورات، زبور اور انجیل میں آپ کے مبعوث ہونے کی بشارات موجود ہیں''۔

اب اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''اس میثاق کے مطابق ہر پیغمبرؑ نے اپنے اپنے عہد میں حضور سید المرسلین ﷺ کی آمد کی خبر اپنی امت کو دی اور انہیں کہا کہ جب خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا تشریف لائیں تو ان پر ایمان لانا۔ اگرچہ قدیم آسمانی کتب تحریف کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں مثلاً تورات، زبور اور انجیل میں اپنی مرضی کے مطابق ردوبدل کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان میں اب بھی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مبعوث

ہونے کی بشارات موجود ہیں''۔ (۲۳)

میرے الفاظ کو ''اپنا'' بنانے کے لیے انہوں نے ''حضور سید المرسلین ﷺ اور خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء'' کی جگہ صرف ''حضور'' لکھ دیا۔ ''تحریف'' کے بجائے ''ردوبدل'' اور ''حضور علیہ السلام'' کی جگہ ''آپ'' کی تبدیلی کر دی، ''اگرچہ'' اور ''لیکن'' کو حذف کر دیا۔ لو عبارت ان کی ہو گئی۔ اس کے بعد مقالہ نگار نے دو احادیث ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے نقل کیں اور گیارہ سطروں پر مشتمل ایک طویل روایت میرے مضمون سے نقل کر دی لیکن حوالہ میرا درج کردہ ہی لکھ دیا۔

تورات شریف میں حضور نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر موجود ہے۔ میں نے اس ذیلی عنوان کے تحت اس پر بحث کی تھی۔ صدیقی صاحب نے بھی ''تورات'' کے زیر عنوان میرے مضمون سے بلا جھجک نقل کیا اور حوالہ دینے کی زحمت نہیں فرمائی۔ شروع میں انہوں نے یہ سارے جملے میرے مضمون سے چرائے۔

''تورات آج کل بائبل میں شامل ہے .... مکہ معظّمہ کے نزدیک ہے'' (۲۴)۔ اس کے بعد ''خداوندِ قدوس'' کو ''اللہ تعالیٰ'' سے بدل کر انہوں نے ''سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا........دوبدو'' (۲۵) تک دو اقتباس مِن وعَن نقل کر لیے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ و محمد علیہما السلام کے اسما کے ساتھ لکھا ہوا سلام حذف کر دیا۔ پھر میرے مضمون کے صفحہ ۶۶، ۶۷ سے تورات کی عبارت

نقل کی۔ ''قومیں اس کی مطیع ہوں گی'' والے فقرے کی یوں اصلاح فرما دی۔
''پھر لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے''۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن
سلام اور کعب احبار رضی اللہ عنہما کی روایات میرے مضمون کے صفحہ ۶۵، ۶۶ سے
نقل کیں لیکن حوالہ میرا درج کردہ ہی لکھ دیا۔ مقالہ نگار نے صفحہ ۱۹۴ پر زبور شریف
سے حضور سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا ذکر کیا۔ راقم الحروف نے اپنے
مضمون ''مقدس کتب کی بشارت'' میں زبور کا ایک طویل اقتباس نقل کیا تھا۔ اس
کے بعد اس پر بحث کی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اقتباس میں بیان
کردہ دس اوصاف نمبروار لکھے۔ صدیقی صاحب نے شروع کے چار جملے چھوڑ کر
سارا پیراگراف نقل کر دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس اقتباس میں بیان کردہ
اوصاف کریمہ کو نمبر ختم کر کے مسلسل لکھ دیا۔ اس کے بعد لفظ ''مکہ'' کے متعلق
بحث بھی چوری کی اور بیہقی والی روایت میں سرقہ کیا۔ میں نے درمیان میں
عبارت کا کچھ حصہ چھوڑ کر نقاط لگا دیئے تھے۔ انہوں نے عبارت کو مسلسل کر دیا۔
بریکٹ میں درج کردہ درود شریف بھی نہ لکھ کر رحمتِ باری تعالیٰ سے محرومی کو اپنا
مقدر بنایا۔

اناجیلِ اربعہ سے حضور سیدِ ہر عالم ﷺ کے متعلق بشارات کے بارے میں
صدیقی صاحب نے صفحہ ۱۹۴ پر ساری آیات بغیر انجیل دیکھے نقل کی
ہیں۔ ''کتابِ مقدس'' یعنی The Bible کے مختلف اداروں کے طبع شدہ
ایڈیشن پاکستان میں دستیاب ہیں۔ لیکن ان کے درج کردہ حوالے وہی ہیں جو

راقم الحروف نے درج کیے ہیں۔ یہ ان کے ''سرقہ'' کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ پھر
وہی آیات نقل کی ہیں جو میں نے اپنے مضمون میں لکھی تھیں۔ انجیل یوحنّا سے
راقم الحروف نے سات آیات نقل کی تھیں انہوں نے ساری نقل کر دیں۔ اس
کے بعد لفظ ''احمد'' سے متعلق ساری بحث جو میں نے ضیاء القرآن اور سیارہ
ڈائجسٹ کے حوالے سے کی تھی، نقل کر دی۔ انجیل لوقا سے آمدِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ
والثناء کا ذکر کرتے وقت صفحہ ۱۹۴ پر مذکور دونوں ریفرنس میرے مضمون سے
چرائے۔ ایک عبارت اڑا دی اور لکھ دیا کہ یہ انجیل متی میں بھی حرف بحرف موجود
ہے اور دوسری آیت میں میرے نقل کردہ الفاظ لکھ دیے۔ انجیل متی سے حضور
اکرم ﷺ کے متعلق بشارات کی تحقیق بھی انہوں نے میرے مضمون تک محدود
رکھی۔ میں نے انجیل متی کے تین اقتباسات نقل کیے تھے۔ صدیقی صاحب نے
بھی تینوں نقل کر دیے۔ میں نے نمبروار (۱،۲،۳) لکھے تھے (۲۶)۔ انہوں نے
نمبر ہٹا کر حروفِ تہجی (الف، ب، ج) لکھ دیے۔ یہاں بھی میں نے درود پاک
دو مرتبہ لکھا تھا' انہوں نے حذف کر دیا۔

مقالہ نگار نے صفحہ ۱۹۴ پر انجیل مرقس کی بھی وہی عبارت درج کی ہے جو
میرے مضمون میں دی گئی ہے۔ صفحہ ۲۰۳ پر صدیقی صاحب نے ''رسولوں کے
اعمال'' اور ''غزل الغزلات (نشید الانشاد)'' کی بشارات بھی راقم الحروف کے
مضمون سے ہی لی ہیں اور حوالہ ہر جگہ اصل مآخذ کا دیا ہے۔ میں نے ''انجیلِ
مقدس'' کے یو ایس اے سے طبع شدہ اردو ترجمہ کے حوالے سے نقل کیے تھے'

انہوں نے بھی وہی درج کر دیے۔

اس کے بعد انجیل برناباس سے انہوں نے صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۳ متعدد اقتباسات نقل کیے ہیں۔ یہ بھی سبھی میرے مضمون سے ''سرقہ'' کیے گئے ہیں۔ میرے مضمون میں انجیل برناباس کے ذیلی عنوان کے تحت دیا گیا پہلا اور دوسرا پیراگراف معمولی ردوبدل کر کے نقل کر لیے گئے ہیں۔ درج ذیل پیراگراف مکمل طور پر ''سرقہ'' کیا گیا ہے۔

''۳۸۳ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا ایک نسخہ حاصل کیا.........تحریف سے محفوظ ہے''۔(۲۷)

انجیل برناباس کا جو انگریزی اقتباس میں نے سب سے پہلے نقل کیا تھا، اور اس کا اردو ترجمہ دیا تھا' مقالہ نگار نے لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے۔ اس میں انہوں نے فقط دو تبدیلیاں کی ہیں۔ میں نے آخری رسول کے بعد بریکٹ میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت داؤد کے نام کے بعد (علیہ السلام) لکھا تھا۔ ترجمہ میں بریکٹ میں دیے گئے الفاظ مترجم کے ہوتے ہیں۔ چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماءِ پاک کے ساتھ درود وسلام کے الفاظ لکھنا ضروری ہیں' اس لیے میں نے ایسا کیا تھا۔ صدیقی صاحب نے ان کو ختم کر دیا اور بس۔ ان کا نقل کردہ دوسرا اور تیسرا اقتباس مع ترجمہ میرے مضمون کی نقل ہے اور کہیں شوشے تک کا فرق نہیں۔ اس کے بعد میں نے انجیل برناباس سے ایک طویل انگریزی اقتباس مع اردو ترجمہ دیا تھا۔ ''ڈاکٹر'' نے اس کا پہلا اور آخری جملہ حذف کر کے اسے

لکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے انگریزی عبارت نہیں دی۔ صرف ترجمہ دیا ہے جو کہ میرے مضمون سے ہی چرایا گیا ہے۔ راقم الحروف نے اس انجیل کا جو انگریزی پیراگراف سب سے آخر میں نقل کیا تھا' وہ یہ تھا۔ **The name of Messiah is admirable .... Mohammad is his blessed name** صدیقی صاحب نے بھی یہ نقل کر دیا۔ لیکن میں نے درمیان سے کچھ حصہ چھوڑ کر نقاط (......) لگا دیے تھے۔ انہوں نے عبارت کو مسلسل بنا دیا۔ اس پیراگراف کا ترجمہ ''محمد (ﷺ) اس کا بابرکت نام ہے'' تک ہے۔ لیکن صدیقی صاحب کا ترجمہ یہاں ختم نہیں ہوتا۔ انہوں نے یہ الفاظ بھی اس کا ترجمہ سمجھ کر شامل کر دیے ہیں۔ ''اس پر تمام سامعین نے فریاد کرنی شروع کی۔ ''اے خدا اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی نجات کے لیے جلد تشریف لے آئیں''۔

صدیقی صاحب کی نقل کردہ انگریزی عبارت میں سے کن الفاظ کا یہ ترجمہ ہے یہ تو وہ ہی بتا سکتے ہیں۔ لیکن اس سے اتنا ضرور عیاں ہوتا ہے کہ موصوف انگریزی میں بالکل کورے ہیں۔ اردو ترجمہ میں ان کا اضافہ نقل بلاعقل کی بہترین مثال ہے۔

راقم الحروف نے گوتم بدھ کی خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق پیشین گوئی بھی اپنے مضمون میں شامل کی تھی جو میرے مذکورہ مضمون کے ایک مکمل صفحہ پر محیط ہے (۲۹)۔ صدیقی صاحب نے بھی اسے نقل کر دیا۔ اس کے بعد مقالہ

نگار نے دھرم اوتر اکھنڈ کی دو پیش گوئیاں راقم الحروف کے مضمون سے نقل کی ہیں۔ نمبر ۱۱ اور ۲ کو ختم کر کے دونوں کو یکجا کر دیا گیا ہے اور یہاں ضیائے حرم عیدِ میلا دالنبی ﷺ کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن مضمون اور مضمون نگار کا نام درج نہیں کیا کہ کہیں ان کا سرقہ تشت از بام نہ ہو جائے۔ اس کے بعد صدیقی صاحب نے پوتھک اوتران کی پیش گوئی بھی راقم الحروف کے مضمون سے چُرائی ہے لیکن حوالہ ''نقوش'' کا دیا ہے۔ درجِ ذیل پورا اقتباس انہوں نے میرے مضمون سے نقل کیا ہے۔''آنے والے زمانے میں......اس کی طرف تیس کتابیں بھیج دے گا'' (۳۰)۔

صدیقی صاحب نے سام وید کی پیشین گوئی اور شروع کے جملے سرقہ کیے اور سام وید میں بیان کردہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات بغیر نمبر کے میرے مضمون سے نقل کر دیں جنہیں میں نے چھے نمبروں کے تحت لکھا تھا۔ اتھروید کے دونوں حوالے میرے مضمون سے نقل کیے ہیں۔ کلکی پران میں میری درج کردہ دونوں عبارات کو انہوں نے یکجا کر دیا ہے۔ مندرجہ بالا حقائق ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی کی تحقیق کو''سرقہ'' ثابت کرتے ہیں۔

مقالہ نگار نے دوسرے باب میں ''میلادناموں اور مجالسِ میلاد کے باقاعدہ آغاز کا تعیّن'' کے زیرِ عنوان اپنے عربی اور انگریزی کے ماہر ہونے کا چکمہ دیا۔ لیکن انہوں نے یہاں بھی ''سرقہ'' فرما کر اپنی تحقیق کی دھاک بٹھانا چاہی۔ مولانا صدیقی ایسے محقق کی دزدی کا پوشیدہ رہنا اس لیے ممکن نہیں رہا کہ انہوں

نے مقالہ طبع کرا دیا۔ اگرچہ انہوں نے مقالہ کا نام وغیرہ تبدیل کر دیا اور کہیں یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کی خاطر معاشی ضرورت کے تحت یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مقالہ نگار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت صفحہ ۲۲۹ پر ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' کا یہ اقتباس نقل کیا ہے۔''عالم اسلام میں اولین صدی ہجری سے ملتی ہے''۔ یہ عبارت انہوں نے راجا رشید محمود صاحب مدیرِ ''نعت'' کے مضمون ''محافلِ میلاد'' سے نقل کی ہے (۳۱)۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس ثانوی مآخذ کا ریفرنس راجا صاحب نے درج کیا تھا وہی انہوں نے نقل کر دیا۔ چونکہ اصل کتاب کا حوالہ وہاں سے نہیں مل سکا انہوں نے وہی نقل کر کے کام چلا لیا۔ حالانکہ ان کا فرض بنتا تھا کہ بنیادی مآخذ تک رسائی حاصل کرتے اور اصل کتاب کا حوالہ دیتے۔ اس کے بعد چار پانچ صفحات کا مواد وہی ہے جو ڈاکٹر انور محمود خالد کے مقالہ میں موجود ہے (۳۲)۔ اگر وہاں سے نقل نہیں کیا گیا تو پھر دونوں نے مشترکہ مآخذ پر انحصار کیا ہے۔

ڈاکٹر خالد نے انوارِ ساطعہ کی جو عبارت دی تھی انہوں نے بھی نقل کر دی۔ حوالہ من وعن وہی لکھا جو ان کے مقالہ میں موجود تھا۔''بلانی پریس''کو رکے پریس'' کر دیا۔ اس کے بعد مقالہ نگار نے ڈاکٹر این میری شمل کا مضمون عبارت لکھ دی۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے riel`s Wing ہے لیکن حوالے تھا۔ موصوف نے ammad is his کی انتہا ہے کہ اس قدر Messenger سے ایک پیراگراف نقل کر دیا لہ تک نہیں دیا گیا۔ ایسی

بددیانتی اور بداخلاقی دنیائے تحقیق کا گناہِ کبیرہ ہے۔ ان ۲۶ ذیلی عنوانات میں صدیقی صاحب کا بس اتنا کام ہے کہ انہوں نے محمد محب اللہ نوری کے مضمون میں مذکور میلاد ناموں کی ترتیب بدل دی ہے۔ بیشتر مولود ناموں کا ذکر تو ان کے مضمون سے ہو بہو نقل کر دیا ہے۔ بعض تعارف کی تلخیص کر دی ہے اور کہیں کہیں عربی اشعار اور ان کا ترجمہ حذف کر دیا ہے لیکن ''عربی موالید کا سرسری جائزہ'' ماہنامہ نعت کے مذکورہ مضمون سے معمولی ہیر پھیر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں ''میلاد کے محرکات'' پر صفحہ ۱۴۳ تا ۱۵۸ بحث کی گئی ہے۔ یہاں انہوں نے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالے پر بہت زیادہ انحصار کیا ہے۔ حتیٰ کہ عنوانات میں بھی ان کے بیان کردہ نعت کے محرکات کا ظل واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ یہاں ڈاکٹر صدیقی کے بیان کردہ محرکات اور ان کے سامنے ڈاکٹر ریاض مجید کے تحریر کردہ محرکات نقل کیے جاتے ہیں تا کہ تقابل میں آسانی رہے۔

ڈاکٹر جاوید صدیقی	**ڈاکٹر ریاض مجید**
۱۔عقیدت ومحبت کا اظہار	۱۔عقیدت
۲۔اطاعت کا جذبہ	۲۔محبتِ رسول ﷺ کا جذبہ
	(صدیقی صاحب نے دونوں کو یکجا کر دیا ہے)
۳۔استمداد وشفاعت طلبی	۳۔اطاعت کا جذبہ
۴۔خیر جوئی اور حصولِ ثواب	۴۔حصولِ ثواب وطلبِ شفاعت
۵۔صوفیاء کی محافلِ میلاد میں دلچسپی	۵۔برکت طلبی اور خیر جوئی
۶۔علمائے بریلی اور مجالسِ میلاد	۶۔صوفیائے کرام کا خصوصی شغف و توجہ
۷۔سالانہ اعراس کی تقاریب	۷۔میلاد کی محفلیں
۸۔نجی خوشی پر محفلِ میلاد کا انعقاد	۸۔سیرتِ رسول ﷺ کے جلسے
۹۔سیرت النبی ﷺ کے جلسے اور مشاعرے	۹۔نعتیہ مشاعرے
۱۰۔ذرائع ابلاغِ عامہ	۱۰۔ذرائعِ ابلاغِ عامہ

اگر صدیقی صاحب کے نزدیک محرکاتِ مولود نویسی اور محرکاتِ نعت گوئی ایک ہی تھے اور انہوں نے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے نقل کرنا تھا تو انہیں واضح طور پر یہ لکھنا چاہیے تھا کہ دونوں کے اسباب ومحرکات یکساں ہیں اور ڈاکٹر ریاض مجید نے ان پر بحث کی ہے لیکن چور تو اپنے نقشِ پا مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تا کہ کھوج نہ لگایا جا سکے۔ مندرجہ بالا عنوانات کے تحت صدیقی صاحب نے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالے سے ہی بہت نقل کچھ کیا ہے۔ جس کا سراغ لگانا انتہائی آسان ہے۔ مثلاً صدیقی صاحب نے ''عقیدت ومحبت کا اظہار'' کے زیرِ عنوان دو آیات کا ترجمہ دیا ہے لیکن ڈاکٹر ریاض والی ترتیب بدل دی۔ اس کے بعد انہی کے مقالہ سے چار احادیث نقل کر دیں (۳۵)۔ قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے ''سورہ توبہ'' کے بجائے ''رحمۃ للعالمین'' جلد دوم کا ریفرنس دیا کیونکہ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے مقالے میں ایسا ہی کیا تھا اور صدیقی کے لیے تو شاید قرآن کھولنا بھی بارِ گراں تھا۔ ''خیر جوئی اور حصولِ ثواب'' کے تحت بھی سورۃ الاحزاب

کی آیت کا متن اور ترجمہ انہی کے مقالہ سے نقل کیا ہے (۳۶)۔ ان کے استعمال کردہ بریکٹ تک ویسے ہی استعمال کیے ہیں پھر درود شریف کے بارے میں تمام احادیث کا ترجمہ وہیں سے نقل کیا ہے لیکن حوالہ کہیں نہیں دیا۔ ہر جگہ ڈاکٹر ریاض مجید کے درج کردہ ریفرنس نقل کر دیے ہیں۔

اسی باب میں ڈاکٹر جاوید صدیقی نے میلاد ناموں کے درجِ ذیل مآخذ بیان کیے ہیں:

۱۔ قرآنِ مجید (اس عنوان کے بجائے ۲۴ ذیلی عنوانات قائم کر کے قرآنی آیات درج کی ہیں حالانکہ صرف قرآنِ مجید کا عنوان کافی تھا)

۲۔ احادیثِ نبوی (ﷺ)

۳۔ کتبِ سیَر ومغازی

۴۔ کتبِ تفسیر القرآن

۵۔ کتبِ تاریخ

۶۔ کتبِ شمائل

۷۔ کتبِ دلائل

۸۔ اسماء النبی الکریم (ﷺ)

۹۔ الہامی صحائف اور مذہبی کتب

یہ عنوانات انہوں نے ڈاکٹر انور محمود خالد کے مقالہ سے لیے ہیں (۳۷)۔ البتہ اتنا ضرور کیا ہے کہ ان کے بیان کردہ مآغذاتِ سیرت میں سے ''معاصرانہ

شاعری'' کا عنوان چھوڑ کر ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے ''اسماء النبی الکریم'' اور ''الہامی صحائف اور مذہبی کتب'' کو شامل کر لیا (۳۸)۔ ان عنوانات کے تحت انہوں نے ڈاکٹر انور محمود خالد کے مقالے سے بلا تکلف مواد چرایا البتہ تلخیص ضرور کر دی اور حسبِ ضرورت ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے بھی سرقہ جاری رکھا۔ اس طرح انھوں نے خود تحقیق کرنے کی زحمت نہیں فرمائی اور یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس مواد کو یہاں نقل کرنا درست بھی ہے یا نہیں۔ اگر انہوں نے خود ''مولود نامے'' پڑھے ہوتے اور کتبِ سیر کا مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں خبر ہوتی کہ ''مولود نامہ'' لکھتے وقت کسی مولود نگار نے ان مآخذات پر انحصار نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ دو چار سیرت کے مآخذات سامنے رکھ کر ''مولود نامہ'' لکھ دیا ہے۔

چوتھے باب میں انہوں نے صفحہ ۳۸۷ تا ۳۸۹ پر مولوی حکیم فیاض الحق صدیقی (م ۱۸۵۳ء) کا ذکر کیا ہے لیکن تمام بحث ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ بعنوان ''اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ'' سے ماخوذ ہے۔ حکیم فیاض الحق کے متعلق صفحہ ۸۸۔۳۸۷ پر تعارفی کلمات ملاحظہ فرمائیں۔

''مولوی حکیم فیاض الحق صدیقی ولد حفیظ الدین کا تعلق قصبہ مہم ضلع رہتک کے قدیم صدیقی خاندان سے ہے۔ حفیظ الدین اودھ کی فوج میں ملازم تھے اور اس کی بنا پر قصبہ محمدی ضلع کھیری لکھیم پور میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کا ۲۲۔ اکتوبر ۱۸۴۳ء کو لکھنو میں انتقال ہوا۔ ان کے چھوٹے بھائی حکیم عزیز الحق لکھنو کے دار الشفاء کے مہتمم تھے۔ فیاض الحق نے علومِ مروّجہ کی تحصیل لکھنو کے نامور

علماء سے کی۔ علمِ طب میں بھی خصوصی مہارت حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا محمد معین فرنگی محلی کا نام خاص طور پر ملتا ہے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر واپسی پر ۲۱ جون ۱۸۵۳ کو جہاز سے اتر رہے تھے کہ سمندر کی موج بہا کر لے گئی اور اس طرح وہ غریق وشہید ہوئے''۔ (۳۹)

یہ پورا پیراگراف ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے مقالہ سے لیا گیا ہے لیکن حوالہ ''مآثر الاجداد (پروفیسر منظور الحق صدیقی) لاہور ۱۹۶۴ کا دیا۔ چونکہ وہاں لاہور کے ناشر کا نام و پتا نہیں تھا، انہوں نے بھی اس کے بغیر ہی کام چلا لیا البتہ یہ کمال ضرور دکھایا کہ ڈاکٹر قادری نے ''ضلع رہتک'' اور ''ضلع کھیری۔ لکھیم پور'' بریکٹ میں لکھے تھے' انھوں نے دونوں جگہ بریکٹ ختم کر دی۔ ان کے والد کی تاریخ وفات اور حج کے سال کے قمری سنین حذف کر دیے۔ ان کے بھائی کی تاریخ وفات بھی نقل نہیں کی۔ یعنی چند تاریخیں نہ لکھ کر انہوں نے اسے ''اپنا'' بنا لیا۔

اس کے بعد فیاض الحق صدیقی کے مولود نامہ، قیامت نامہ، بہشت نامہ کا ذکر ہے۔ مؤخر الذکر دونوں غیر متعلقہ ہیں لیکن بیچارے کیا کرتے۔ جس طرح ڈاکٹر ایوب نے لکھا تھا انہوں نے بھی نقل کر دیا۔ میلاد نامہ کے آغاز میں قادری صاحب کا نقل کردہ یہ شعر درج کر دیا ہے۔

جمیع حمد ثابت ہے حق کے لیے   کہ جس نے جن و انس پیدا کیے

اس کے بعد اسی مطبوعہ مقالہ سے سرقہ جاری رکھتے ہوئے درجِ ذیل اقتباس نقل کرتے ہیں: نثر کے حصے کا آغاز فضائلِ درود شریف سے ہوتا ہے چنانچہ لکھتے

ہیں ''تحقیق اللہ اور فرشتے۔۔۔۔۔۔۔ اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد و بارک وسلم'' (۴۰)

جس قلمی نسخہ کا حوالہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے دیا تھا انہوں نے بھی من وعن نقل فرما دیا۔ اس کے بعد کتاب شرف النبوت کے حوالے سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر سن کر درود شریف نہ پڑھنے والی وعید پر مبنی روایت درج ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر قادری کے مقالہ ہی سے نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ مولود نامہ دیکھا ہوتا تو یقیناً ان دونوں کے علاوہ بھی کسی مقام سے چند سطریں بطور نمونہ نثر دے سکتے تھے۔ البتہ ان دونوں نثری اقتباسات کے درمیان نظم لائے ہیں لیکن اس کے شروع میں بھی ڈاکٹر قادری کے تحریر کردہ الفاظ ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ رسالہ ایک متدیّن دوست عبدالکریم کی فرمائش پر لکھا۔ وہ لکھتے ہیں

مرے ایک مشفق ہیں عبدالکریم
شریعت کے اوپر ہیں وہ مستقیم
جو قصہ محمدی کا مشہور ہے
اسی میں مکان اون کا معمور ہے
کہا ایک دن مجھ سے اے یارِ من
کہے تو نے اکثر ہیں شعر و سخن
نہیں کوئی مولود نامہ لکھا

اسی کا یہ ارمان مجھ کو رہا
سو اب میری خاطر سے اے باہنر
رسالہ تولّد کا تو نظم کر
بہت سہل ہوئے وہ ہندی زباں
اوسے پڑھ کے خوش ہوئیں خورد و کلاں

اس کا حوالہ بھی ڈاکٹر محمد ایوب قادری کا تحریر کردہ ہی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ صدیقی صاحب نے نہ اصل مولود شریف دیکھا اور نہ ہی فیاض الحق صدیقی کے متعلق کچھ پڑھنے کی زحمت فرمائی۔ اس کا پورا ذکر ڈاکٹر قادری کے مقالہ سے نقل کر دیا لیکن ان کے مقالے کا حوالہ درج نہیں کیا جو کہ سراسر بددیانتی ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر مظفر جاوید صدیقی نے علی محمد خان فاروقی (م ۱۸۴۶ء) کے مولود شریف کا ذکر اور درج ذیل نمونہ نثر بلا حوالہ ڈاکٹر قادری کے مقالہ سے ہی چرایا ہے۔

"وقت تولّد آنجناب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اہلِ فارس تھی، بجھ گئی" (۴۱)

باب چہارم میں سرسید احمد خان کے مولود نامہ کا ذکر کیا ہے جس کا نام "جلاء القلوب بذکر المحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہے۔ اس کا سارا مواد چوری شدہ ہے۔ راقم الحروف کی اس وقت تک کی معلومات کے مطابق سرسید کے میلاد نامہ کی ساری بحث ڈاکٹر انور محمود خالد کے مقالہ سے نقل کی گئی ہے تاہم حوالے وہی

دیئے گئے ہیں جو انہوں نے اپنے مقالے میں درج کیے تھے۔ کہیں ایک بھی حوالہ ڈاکٹر انور محمود خالد کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ مقالہ کا نہیں دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدیقی صاحب نے ان کا مقالہ سامنے رکھ کر پیراگراف اوپر نیچے کر دیے۔ اس طرح یہ ان کی اپنی تحقیق ہوگئی۔ اس کی مثال ایک ایسے چور کی ہیں جو کسی کے ڈرائنگ روم میں سجی ہوئی چند چیزیں چوری کرتا ہے اور پھر انہیں اپنے ڈرائنگ روم میں مختلف ترتیب سے سجا دیتا ہے۔ اب سرسید کے مولود نامہ کا ذکر ملاحظہ فرمائیں جو صدیقی صاحب نے ص ۴۱۰ پر کیا ہے۔

"سرسید نے ۱۸۴۲ میں مولود شریف "جلاء القلوب بذکر المحبوب" نثر میں لکھا جو سید الاخبار کے پریس سے چھپا تھا۔ یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی "سرور المحزون" اور عبدالحق محدث دہلوی کی "مدارج النبوت" سے ماخوذ تھا"۔ یہ الفاظ ڈاکٹر انور محمود کے مقالہ "اردو نثر میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں حرف بحرف موجود ہیں (۴۲)۔ اس کے بعد انہوں نے اس میلاد نامہ کے "مندرجات" لکھے تھے جن کو صدیقی صاحب نے مِن وعَن نقل کر دیا۔ صرف "اجمالاً" ذکر کیا ہے" کے الفاظ "اختصار سے ذکر کیا گیا ہے" سے بدل دیے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صدیقی نے صفحہ ۴۱۱ پر سرسید کے اس مولود نامہ کا یہ اقتباس نقل کیا ہے۔

"نبی کریم ﷺ بہت خوبصورت اور حسین تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔مُہرِ نبوّت تھی"۔ یہ پیراگراف ڈاکٹر خالد کے مقالہ میں موجود ہے (۴۳) فرق صرف

اتنا ہے کہ صدیقی کے نقل کردہ اقتباس کے آغاز میں ''نبی کریم'' کی جگہ ''جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' موجود ہے۔ یہ صدیقی صاحب نے تصرّف اس لیے کیا ہے کہ ان کی چوری پکڑی نہ جائے۔ یہاں صدیقی صاحب نے کس قدر بددیانتی کی۔ اولاً حوالہ چوری کیا۔ خود انھوں نے یہ مولود نامہ نہیں دیکھا' نہ اس کا ذکر کسی کتاب میں ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ ثانیاً کسی کی عبارت اور وہ بھی واوین میں نقل کرتے وقت کسی حرف کو بدلا نہیں جاتا اور نہ ہی کچھ حذف کیا جاتا ہے، اگر ایسا کرنا بھی ہو تو نقاط (..........) لگا دیے جاتے ہیں۔ ثالثاً سرسید جیسے عقلیت پسند، مغرب زدہ اور بقولِ مولویاں نیچری شخص نے تو اپنے نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درودِ پاک لکھا، صدیقی نے بدبختی کو اپنا مقدر بناتے ہوئے، بُخل کا سہرا اپنا سر سجاتے ہوئے اور احادیث میں موجود وعیدوں کی پروا نہ کرتے ہوئے درود شریف کے الفاظ حذف کر دیے۔

سرسید نے ''جلاء القلوب پر ریویو'' جون ۱۸۷۸ء میں تحریر کیا تھا جس میں انھوں نے لکھا ''یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی تھی..........کی محبت کو'' یہ الفاظ صدیقی صاحب نے ڈاکٹر انور خالد ہی کے مقالہ سے چرائے ہیں (۴۴) اسی طرح شیخ اکرام کے الفاظ ''۱۸۳۹ء سے لے کر..........برقرار رہی'' جو صدیقی صاحب نے صفحہ ۵۱۲ پر نقل کیے ہیں، یہ بھی ڈاکٹر خالد ہی کے مقالہ سے سرقہ کیے گئے ہیں (۴۵)

اس کے علاوہ ''رسالہ ''جلاء القلوب بذکر المحبوب'' کی اشاعت..... نمبر

4.FII.44 کے تحت موجود ہے'' (۴۶) بھی دونوں مقالات میں ''سرقہ'' کی مثال پیش کرتے ہیں۔

اسی باب میں لطفؔ بریلوی جنھوں نے کوئی الگ ''میلاد نامہ'' نہیں لکھا، کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کے لیے ''دیوانِ لطفؔ'' تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے اشعار نقل کر دیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی اپنے مطبوعہ مقالہ کے صفحہ ۴۳۹ پر لطفؔ بریلوی کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں۔

''لطفؔ بریلوی کے دیوانِ نعت میں ۱۰۲ غزلوں کے علاوہ ۱۹۷ اشعار کا ایک طویل سراپا اور ایک خمسہ شامل ہے'' (۴۷)

یہ الفاظ انھوں نے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے چرائے ہیں۔ صدیقی صاحب نے تین میلادیہ نعتوں کے مطلعے دیے ہیں جو اسی ترتیب سے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ میں دیکھے جا سکتے ہیں (۴۸) تینوں مطلعے ملاحظہ ہوں۔

دکھائے گر خدا مجھ کو مکانِ مولدِ حضرت
لکھوں اے لطفؔ مذکورِ زمانِ مولدِ حضرت

نہ پایا دو جہاں میں اک مکانِ محفلِ مولد
جہاں دل کھول کر کرتے بیانِ محفلِ مولد

باادب داخل ہو اے دل محفلِ میلاد میں
خود بدولت خود ہیں شامل محفلِ میلاد میں

اتنا ہے کہ صدیقی کے نقل کردہ اقتباس کے آغاز میں ''نبی کریم'' کی جگہ ''جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' موجود ہے۔ یہ صدیقی صاحب نے تصرّف اس لیے کیا ہے کہ ان کی چوری پکڑی نہ جائے۔ یہاں صدیقی صاحب نے کس قدر بددیانتی کی۔ اولاً حوالہ چوری کیا۔ خود انہوں نے یہ مولود نامہ نہیں دیکھا' نہ اس کا ذکر کسی کتاب میں ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ ثانیاً کسی کی عبارت اور وہ بھی واوین میں نقل کرتے وقت کسی حرف کو بدلا نہیں جاتا اور نہ ہی کچھ حذف کیا جاتا ہے، اگر ایسا کرنا بھی ہو تو نقاط (..........) لگا دیے جاتے ہیں۔ ثالثاً سرسید جیسے عقلیت پسند، مغرب زدہ اور بقولِ مولویاں نیچری شخص نے تو اپنے نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درودِ پاک لکھا، صدیقی نے بدبختی کو اپنا مقدر بناتے ہوئے، بُخل کا سہرا اپنا سر سجاتے ہوئے اور احادیث میں موجود وعیدوں کی پروا نہ کرتے ہوئے درود شریف کے الفاظ حذف کر دیے۔

سرسید نے ''جلاء القلوب پر ریویو' جون ۱۸۷۸ء میں تحریر کیا تھا جس میں انھوں نے لکھا ''یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی تھی..........کی محبت کو'' یہ الفاظ صدیقی صاحب نے ڈاکٹر انور خالد ہی کے مقالہ سے چرائے ہیں (۴۴) اسی طرح شیخ اکرام کے الفاظ ''۱۸۳۹ء سے لے کر..........برقرار رہی'' جو صدیقی صاحب نے صفحہ ۵۱۲ پر نقل کیے ہیں، یہ بھی ڈاکٹر خالد ہی کے مقالہ سے سرقہ کیے گئے ہیں (۴۵)

اس کے علاوہ ''رسالہ'' جلاء القلوب بذکر المحبوب'' کی اشاعت.....نمبر

4.FII.44 کے تحت موجود ہے'' (۴۶) بھی دونوں مقالات میں ''سرقہ'' کی مثال پیش کرتے ہیں۔

اسی باب میں لطفؔ بریلوی جنہوں نے کوئی الگ ''میلاد نامہ'' نہیں لکھا، کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کے لیے ''دیوانِ لطفؔ'' تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے اشعار نقل کر دیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی اپنے مطبوعہ مقالہ کے صفحہ ۴۳۹ پر لطفؔ بریلوی کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں۔

''لطفؔ بریلوی کے دیوانِ نعت میں ۱۰۲ غزلوں کے علاوہ ۱۹۷ اشعار کا ایک طویل سراپا اور ایک خمسہ شامل ہے'' (۴۷)

یہ الفاظ انہوں نے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے چرائے ہیں۔ صدیقی صاحب نے تین میلادیہ نعتوں کے مطلعے دیے ہیں جو اسی ترتیب سے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ میں دیکھے جا سکتے ہیں (۴۸) تینوں مطلعے ملاحظہ ہوں۔

دکھائے گر خدا مجھ کو مکانِ مولدِ حضرت
لکھوں اے لطفؔ مذکورِ زمانِ مولدِ حضرت

نہ پایا دو جہاں میں اک مکانِ محفلِ مولد
جہاں دل کھول کر کرتے بیانِ محفلِ مولد

باادب داخل ہو اے دل محفلِ میلاد میں
خود بدولت خود ہیں شامل محفلِ میلاد میں

اس کے بعد صدیقی صاحب نے پانچ اشعار نقل کیے ہیں جو ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے اپنے مقالے میں درج کیے تھے (۴۹) لیکن حوالہ ڈاکٹر اشفاق کے مقالے کا نہیں بلکہ دیوانِ لطفؔ ہی کا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صدیقی نے چار شعر دیے ہیں جو ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے نقل کردہ پانچ اشعار میں سے منتخب کیے گئے ہیں (۵۰) ڈاکٹر ریاض مجید نے بھی اس نعت کے دو شعر نقل کیے تھے۔ پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

آج فخرِ انبیا صلِ علیٰ پیدا ہوئے
شافعِ روزِ جزا صلِ علیٰ پیدا ہوئے

اس کے بعد انہوں نے ڈاکٹر ریاض کے منکرینِ میلاد کے حوالے سے، درجِ ذیل اشعار نقل کیے ہیں۔

روایت کرتے ہیں یہ زائرانِ مولدِ حضرت
کہ دیکھا نور جو دیکھا میانِ مولدِ حضرت
سال بھر آئیں گے اس گھر کی زیارت کے لیے
ہیں فرشتے جو کہ داخل محفلِ میلاد میں
مومنو "جمع الجوامع" میں ہے لکھا دیکھ لو
ہوتے ہیں حضرت ﷺ بھی شامل محفلِ میلاد میں

ڈاکٹر ریاض مجید نے مندرجہ بالا دونوں اشعار کے درمیان (------)

کا نشان لگایا تھا صدیقی صاحب نے ہٹا دیا۔ اس کے بعد بھی انہی کے مقالہ پر انحصار کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے منکرینِ میلاد کی تردید میں لطفؔ بریلوی کے سات اشعار نقل کیے تھے (۵۱) صدیقی صاحب نے ان میں سے تین اشعار (پہلے دو اور پانچواں) یہاں نقل کر دیے، باقی دو کو "نعت ہی نعت"، حصہ اول مرتّبہ حافظ محمد مسعود خان کے حوالے سے پانچ اشعار درج کرنے کے بعد نقل فرما دیا۔ دونوں شعر ملاحظہ ہوں۔

رسولِ پاک ﷺ پہ وہّابیو درود پڑھو
کدھر خیال ہے اے غافلو درود پڑھو
خدا کے دوست پہ اے دشمنو درود پڑھو
جہنمی ہو بہشتی بنو درود پڑھو

اس کے بعد درود شریف کی فضیلت کے متعلق چھے اشعار دیے گئے ہیں، ڈاکٹر ریاض مجید نے ان میں سے صرف دو شعر نقل کیے تھے۔ اس لیے انہیں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے مقالہ پر انحصار کرنا پڑ (۵۲۱) پہلا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

خموش بیٹھے ہو کیا مومنو درود پڑھو
شفیعِ روزِ جزا ﷺ پر پڑھو درود پڑھو

ریاض مجید نے "سراپائے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا مطلع دیا تھا، صدیقی میاں نے بھی اسے نقل کر دیا۔ اس ضمن میں یہ شعر ڈاکٹر اشفاق نے بھی

لطف کے نمونہ کلام کے طور پر درج کیا ہے۔

مری وہ فکر رسا ہے ، وہ ہوں میں طبیعت دار

ازل کے روز سے لکھتا ہوں نعت کے اشعار

ڈاکٹر ریاض مجید نے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ۱۹ اشعار نقل کیے تھے (۵۳) ان میں سے صرف چار کو صدیقی صاحب نے اپنے مقالے کی زینت بنایا۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہے کہ ڈاکٹر صدیقی نے دیوانِ لطف نہ پڑھا ہے اور نہ ہی دیکھا ہے۔ البتہ حوالے انہوں نے ''دیوانِ لطف'' ہی کے دیے ہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ انہوں نے ایک بھی ایسا شعر نہیں دیا جو ڈاکٹر ریاض مجید یا پھر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے مقالے میں نہ ہو۔

مقالہ نگار نے باب چہارم میں امیرؔ مینائی کا (صفحہ ۹-۴۵۴) پر ذکر کیا ہے، لیکن یہاں بھی شاعر کا اصل کلام نہیں دیکھا۔ شروع میں انہوں نے ''خیابانِ آفرینش'' کا جو اقتباس نقل کیا ہے وہ ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے لیا ہے۔ جتنے جملے انہوں نے لکھے تھے انہوں نے بھی نقل کر دیے۔ ان سے قبل لکھے گئے الفاظ، جو بظاہر مقالہ نگار کے اپنے لگتے ہیں، وہ بھی ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ ہی سے اخذ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''امیرؔ مینائی نے صحتِ روایات کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان کے میلادنامے ''خیابانِ آفرینش'' کا سبب تالیف ان کا یہی جذبہ ہے۔ وہ اس کے آغاز میں

لکھتے ہیں'' ان وجوہ سے اس ہیچمدان ۔۔۔۔۔۔۔ مواخذے سے ڈرتا ہے''۔(۵۴)

ڈاکٹر ریاض مجید نے حواشی میں ایک عبارت درج کی تھی۔ صدیقی صاحب نے اسے ان کے حوالے کے بغیر نقل کر دیا اور نقل کرتے وقت اس میں اپنے علم و فضل کی بنا پر تبدیلی بھی کی لیکن عبارت واوین ہی میں لکھی۔ یہاں دونوں عبارات نقل کی جاتی ہیں تاکہ اصل صورتِ حال واضح ہو سکے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے حاشیہ میں واوین (Inverted Commas) میں یہ اقتباس یوں نقل کیا۔

''جب علماء فضلا کو (روایت) کی تصحیح میں۔۔۔۔۔۔ غور و فکر کی احتیاج ہے تو انشاء پردازوں اور شاعروں کے لکھنے کا اس باب میں اعتبار رہا اور ان کی لکھی ہوئی عبارتیں جیسی کہ کہیں کہیں مشہور مولدوں میں پائی جاتی ہیں، کیونکہ قابلِ اعتماد ہو سکتی ہیں'' (۵۵) صدیقی صاحب نے اس قدیم اردو کی ''اصلاح'' فرمادی اور اس میں تغیّر و تبدّل کرنے کے باوجود اسے واوین میں صفحہ ۴۵۵ پر یوں درج کر دیا۔

''جب علماء و فضلاء کو روایت کی تصحیح کے ضمن میں غور و فکر کی ضرورت ہے تو انشاء پردازوں اور شاعروں کے لکھنے کا اس باب میں اعتبار رہا اور ان کی لکھی ہوئی عبارتیں جیسی کہ کہیں کہیں مشہور مولدوں میں پائی جاتی ہیں، کیونکہ قابلِ اعتماد ہو سکتی ہیں'' (۵۶) مقالہ نگار نے صفحہ ۴۵۶ پر ولادتِ مقدسہ کے حوالے سے امیر

مینائی کے سات اشعار نقل کیے ہیں۔ پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

زہے رحمت کہ ختمِ انبیاء ﷺ کی آمد آمد ہے
حبیبِ خاص و محبوبِ خدا ﷺ کی آمد آمد ہے

یہاں انہوں نے حوالہ ''محامدِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے بجائے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے مقالہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کا دیا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے مذکورہ بالا کتاب نہیں دیکھی۔ ایک مقام پر اگر وہ اصل کتاب سے عبارت نقل کرتے ہیں، تو انہوں نے اصل کتاب پر انحصار کیوں نہیں کیا؟

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت کے بارے میں ڈاکٹر ریاض مجید نے امیرؔ مینائی کی ایک نعت سے تین اشعار نقل کیے (۵۷) شروع کے دو اشعار اور پھر کچھ اشعار چھوڑ کر ایک شعر لیکن دو اشعار کے بعد نقاط (--------) لگا دیئے تاکہ قاری کو پتا چل جائے کہ درمیان سے اشعار چھوڑ دیے گئے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہوں۔

مژدہ اے امت کہ ختم المرسلیں ﷺ پیدا ہوا
انتخابِ صنعِ عالم آفریں پیدا ہوا
نور جس کا قبلِ خلقت تھا، ہوا اس کا ظہور
رحمت آئی، رحمت للعالمیں ﷺ پیدا ہوا
چاہیے تعظیم کو اٹھیں جو ہیں محفل نشیں

نائبِ خاصِ خدائے ماء و طیں پیدا ہوا

اس کے بعد ترجیع بند قابلِ پیش خوانی در محفلِ میلاد شریف کا ایک بند ''محامدِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے، حالانکہ اس کے لیے بھی انہوں نے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ پر ہی انحصار کیا ہے (۵۸) بند ملاحظہ فرمائیں۔

کر دو خبر، یہ محفلِ میلادِ شاہ ﷺ ہے
یاں آمدِ جنابِ رسالت پناہ ﷺ ہے
امّت چلے رسول ﷺ کی یہ جلوہ گاہ ہے
سیدھی یہی بہشت میں جانے کی راہ ہے
دربارِ عام گرم ہوا، اشتہار دو
جنّ و بشر سلام کو آئیں، پکار دو

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض مجید نے چار اشعار بطور نمونہ کلام دیے تھے (۵۹) انہوں نے بھی نقل کر لیے۔ پہلا شعر دیکھے۔

کیا بزم تھی بزمِ لامکانی
جس بزم میں نور تھا نہ سایہ

سراپا نگاری پر مشتمل تین اشعار ڈاکٹر ریاض مجید سے صدیقی صاحب نے نقل کر دیے۔ پہلا شعر یہ ہے۔

درود پڑھتے تھے قدسی جو دیکھتے تھے وہ رخ
لب آپ ﷺ کے تھے وہ معجز نما کہ صلِّ علیٰ

اس کے بعد منظوم میلاد "ذکرِ شاہِ انبیاء" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ پھر حجۃ الوداع کے مضمون پر مشتمل تین اشعار دیے گئے ہیں لیکن یہاں حوالہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مقالہ "لکھنو کا دبستان شاعری" کا دیا گیا ہے جو ثانوی ماخذ ہے، اس کے بعد منظوم میلاد کے حوالے سے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے، "یہ مسدس محفل میلاد۔۔۔۔۔۔۔۔بیان کیے ہیں" یہ عبارت بھی ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ کے صفحہ ۳۶۰ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صدیقی صاحب نے امیر مینائی کی کوئی کتاب خود دیکھنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ زیادہ تر بحث و نمونہ کلام ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے نقل کیا ہے لیکن اس کا کہیں حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ اگر انہیں محامد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ملی تھی تو ان کی نعتوں کا انتخاب (جو مدیر نعت راجا رشید محمود نے کیا) بھی ۱۹۸۷ء میں طبع ہو چکا تھا۔ (۶۰) لیکن سہل طلب شخص کتب کی تلاش کیسے کر سکتا ہے۔ جسے نقب لگا کر ڈھیر ساری دولت ہاتھ آجائے یا جو سرقہ کا فن سیکھ لے، وہ خود محنت کیونکر کرے گا۔

باب پنجم میں خواجہ الطاف حسین حالی کے مولود نامہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابتدا میں چند تعارفی کلمات لکھنے کے بعد صدیقی صاحب ڈاکٹر انور محمود خالد کے مقالہ

سے سرقہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"حالی نے ۱۸۶۴ء میں ۹۸ صفحات پر مشتمل مولود شریف لکھا۔ اسے ان کے صاحبزادے خواجہ سجاد حسین نے ۱۹۲۲ء میں حالی پریس پانی پت سے اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ "مولود شریف" حالی کی پہلی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے تریاقِ مسموم کو حالی کی اولین کتاب قرار دیا ہے، اس طرح ڈاکٹر عبدالقیوم بھی "مولود شریف" کو حالی کی پہلی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ میلاد شریف کے نام سے اس کا خطی نسخہ جو شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کے پاس موجود تھا۔ اس پر ۱۸۶۴ء کی مُہر لگی ہوئی ہے اور اس سلسلہ میں خواجہ سجاد حسین "مولود شریف" کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں۔

"یہ کتاب ۱۸۶۴ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان لکھی گئی۔۔۔۔۔۔۔۔انہیں رسول اللہ ﷺ سے عشق تھا اور تادمِ مرگ یہی جذبہ موجود رہا۔ البتہ اکثر نئے خیالات دیکھ کر لوگ چیں بہ جبیں ہوئے"۔

یہ اقتباس ڈاکٹر انور محمود خالد کے مقالہ سے نقل کیا گیا ہے (۶۱) لیکن جو حوالے انہوں نے درج کیے تھے، صدیقی نے بھی لکھ دیے، ان کے مقالے کا ذکر تک نہ کیا۔ اپنی چوری چھپانے کے لیے ڈاکٹر سید عبداللہ کا ذکر ڈاکٹر عبدالقیوم سے پہلے کر دیا اور اس طرح یہ ان کی اپنی تحقیق ہوگئی۔

ڈاکٹر صدیقی نے حالی کے "مولود شریف" کے ابتدائی الفاظ ڈاکٹر خالد ہی

کے مقالہ سے نقل کیے ہیں لیکن حوالہ وہی لکھا ہے جو انہوں نے دیا تھا۔ دونوں مقالات میں یہ اقتباس من وعن ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''الٰہی کیا مجال اور کیا تاب و طاقت جو تیری نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں۔ تو قدیم، ہم حادث، تو خالق ہم مخلوق، تیری نعمتیں بے انتہا اور بے انتہا نعمتوں کا شکر بھی بے انتہا، ہماری ابتداء بھی فنا اور انتہا بھی فنا''۔ (۶۱۔الف)

ڈاکٹر انور محمود خالد نے ایک اور اقتباس بھی نقل کیا تھا۔ جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے مسلمان قوم کو عطا ہونے والی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ صدیقی صاحب نے اسے بھی نقل کر دیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''ہاں اے امتِ محمد یہ! فخر کرنے کا مقام ہے۔ جو شرف آج تم کو حاصل ہے، تم سے پہلے کسی کو ملا ہے تو بتا دو۔ اللہ جلّ شانہ، نے تم کو خیرِ امم بنایا۔ تمھارے دین کو کامل کیا۔ تم پر اپنی نعمت تمام کی اور امتوں پر وہ فضیلت دی جو اس کی ذات کو تمام مخلوقات پر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تمھارے دیدار کا مشتاق کیا اور جب تمھارے دیکھنے کی آس نہ رہی تو تمھارے خواجہ تاش کی آرزو دل میں ڈالی''۔

(۶۲)

آخر میں مسدسِ حالی کا ایک بند ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے مقالہ سے نقل کر دیا۔ یہ شعر بھی انہی کے مقالہ سے دیا گیا ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل ﷺ وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

یہ بات حیران کُن ہے کہ مولود شریف کے انہوں نے صرف وہی اقتباسات نقل کیے ہیں جو ڈاکٹر انور محمود خالد نے نقل کیے ہیں۔ کیا ان کے علاوہ حالی کے قلم کی روانی پورے مولود نامہ کی کسی اور عبارت میں نظر نہیں آئی۔ اصل ماجرا یہ ہے کہ ''مولود شریف'' تو انہوں نے دیکھا ہی نہیں۔ اس لیے انہیں ڈاکٹر خالد کی نقل کردہ عبارات سے کام چلانا پڑا۔

باب ہشتم میں صفحہ ۸۱۸ تا ۸۳۰ ''دنیائے اسلام میں جشن ہائے عیدِ میلاد النبی ﷺ کا انعقاد'' کے زیرِ عنوان مولانا صدیقی صاحب نے دوسروں کی تحقیق سے سرقہ بازی کی ہے۔ اس کے پہلے ذیلی عنوان مکہ مکرمہ میں میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں انہوں نے درجِ ذیل ابتدائی سطور رقم فرمائی ہیں جو ظاہری طور پر مقالہ نگار کی اپنی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ صفحہ ۸۱۸ پر یہ سطور ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

''روزِ پیدائش نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں بڑی خوشی منائی جاتی ہے اور اس کو عیدِ ولادتِ رسول اللہ ﷺ کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ حرم شریف میں حنفی مصلّی کے پیچھے مکلّف فرش بچھایا جاتا۔ شریف مکہ اور کمانڈر حجاز مع اسٹاف لباسِ فاخرہ زیبِ تن کر کے آ موجود ہوتے اور نبی کریم ﷺ کی جائے ولادت پر نعت خوانی کر کے آتے، حرم شریف سے مولد النبی ﷺ تک دو رویہ لالٹینوں کی قطاریں روشن کی جاتیں۔ جائے ولادت اس روز بُقعۂ نور بنی ہوئی۔ ۱۱۔ ربیع الاول کی عصر تک ہر نماز کے وقت ۲۱ توپ سلامی قلعہ جیاد سے ترکی توپ خانہ سر کرتا۔''

یہ اقتباس دراصل انہوں نے راقم الحروف کے مضمون "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاد اسلامیہ میں" سے چرایا ہے، جو ضیائے حرم لاہور کے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر میں چھپا تھا (٦٣) بعدازاں اسے "بلادِ اسلامیہ اور میلاد" کے عنوان سے ماہنامہ "نور الحبیب" بصیر پور کے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر میں بھی شاملِ اشاعت کیا گیا۔ مذکورہ بالا پیراگراف ماہنامہ "طریقت" لاہور میں جنوری ۱۹۱۷ء میں چھپا تھا۔ سب سے پہلے مدیرِ نعت راجا رشید محمود نے اسے "یادِ ایامیکہ۔۔۔۔۔" کے عنوان سے ماہنامہ نعت کے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر (حصہ اول) میں طبع کیا تھا۔ (٦٤) راقم الحروف نے ماہنامہ طریقت کی عکسی نقل راجا رشید محمود صاحب کے پاس خود دیکھی تھی۔ اب صدیقی صاحب کی دیانت داری ملاحظہ کیجئے کہ انہوں نے کسی کے الفاظ کو اپنی تحریر کے طور پر پیش کیا۔ مندرجہ بالا پیراگراف میں انہوں نے صرف "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور "حضرت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی جگہ "نبی کریم ﷺ" کر دیا۔ "کہتے ہیں" کو "موسوم کیا جاتا" سے بدل دیا۔ باقی تبدیلیاں نہ ہونے کے برابر ہیں جیسے "آکر موجود ہوتے ہیں" کو "کر کے آموجود ہوتے ہیں" "بنی ہوئی ہے" کو "بنی ہوئی" اور "سر کرتا ہے" کو "سر کرتا" سے بدل دیا ہے۔

اس کے بعد ایک طویل اقتباس ہے جو ماہنامہ "طریقت" لاہور کے مارچ ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ جس میں مکہ مکرمہ میں ولادتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریب کی کارروائی بیان کی گئی ہے جو مکہ مکرمہ سے چھپنے والے

اخبار "القبلہ" میں طبع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ الیاس قریشی نے کیا تھا۔ راجا رشید محمود نے ماہنامہ "طریقت" کے حوالے یہ اقتباس ماہنامہ "نعت" میں شائع کیا۔ اور میں نے وہاں سے لیا۔ صدیقی صاحب نے میرے مضمون سے من وعن نقل کر دی۔ انہوں نے ماہنامہ "طریقت" لاہور کا مذکورہ شمارہ دیکھا تک نہیں۔ اس کی گواہی ان کا نقل کردہ ۱۹ سطروں پر مشتمل طویل اقتباس دے رہا ہے جو انہوں نے میرے مضمون سے نقل کیا ہے۔ دراصل راجا رشید محمود صاحب نے "یادِ ایامیکہ۔۔۔۔" میں اور راقم الحروف نے "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلادِ اسلامیہ میں" میں الیاس قریشی صاحب کی ترجمہ کردہ اردو عبارت کے بعض حصے حذف کر دیے تھے اور وہاں عبارت کے جاری ہونے کا نشان (۔۔۔۔۔۔) لگا دیا تھا مگر صدیقی صاحب نے عبارت کو مسلسل بنا دیا تاکہ کسی کو سرقہ کا شک نہ گزرے اور ان کی دُزدی کا راز نہ کھلے لیکن اس سے ان کی چالاکی بڑی آسانی سے پکڑی گئی۔ اس کے بعد انہوں نے میرے مضمون کو یوں نقب لگائی۔

"مکہ مکرمہ میں مولد النبی ﷺ پر محفل میلاد کے انعقاد کا ذکر متعدد علما نے کیا ہے۔ علامہ ابنِ جوزی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ قطب الدین الحنفی، جمال الدین محمد بن جار اللہ بن ظہیرہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور شیخ محمد رضا مصری نے ۱۲۔ ربیع الاول کو مکہ مکرمہ میں میلاد منائے جانے کے سلسلہ میں اپنی کتب میں نشاندہی کی ہے۔ (٦٥)

مذکورہ بالا پیراگراف انہوں نے میرے مضمون سے نقل کیا ہے۔ صرف آخر

میں ''لکھا ہے'' کی جگہ ''نشاندہی کی ہے'' کر دیا ہے۔ اس میں جو چھے حوالے میں نے لکھے تھے' انہوں نے بھی درج کر دیے اور میرے مضمون کا ریفرنس درج کرنے کی زحمت نہیں کی۔ اس کے بعد صدیقی صاحب نے مولد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر میلاد منانے کا ذکر کیا ہے جو کہ اہل مکہ کا صدیوں پرانا معمول تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے انہوں نے دو عبارات نقل کی ہیں۔ پہلی امام ابوالحسن محمد بن احمد المعروف ابنِ جُبیر اندلسی المتوفی ۶۱۴ھ کی اور دوسری امام قطب الدین حنفی المتوفی ۹۸۸ھ کی ہے۔ یہ دونوں عبارات انہوں نے مفتی محمد خان کے مضمون میلاد اور اہلِ مکہ سے سرقہ کی ہیں (۶۶) جو ضیائے حرم کے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر میں شائع ہوا تھا لیکن حوالے مذکورہ مضمون کے حوالہ جات سے ہی نقل کیے ہیں۔ زبر زیر کا فرق نہیں۔ مضمون نگار نے کتب کا سِن اشاعت نہیں لکھا تھا۔ انہوں نے بھی درج نہیں کیا۔ اگر دونوں کتابوں پر سِن طباعت درج نہیں تھا تو۔ (س۔ن) لکھ دیتے۔ لیکن جس شخص نے اصل کتاب کی شکل نہ دیکھی ہو، اسے کیا خبر کہ کتاب پر اس کی طباعت کا سال درج ہے یا نہیں۔

مدینہ منورہ میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے میرے مضمون کا ابتدائی جملہ ''بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں محفلِ میلاد مسجدِ نبوی میں ہوتی ہے۔'' بغیر حوالہ کے لکھ دیا ہے حالانکہ میں نے یہ جملہ مفتی عنایت احمد کاکوروی کی کتاب ''تواریخ حبیبِ الٰہ'' سے لکھا تھا۔ انہوں نے

مفتی عنایت احمد یا راقم الحروف کا ریفرنس لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے بعد انہوں نے صفحہ ۸۱۹ پر یہ جملے بھی چند الفاظ حذف کر کے میرے مضمون سے بلا حوالہ نقل کر دیے۔

''حکیم محمد موسیٰ امرتسری بتاتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ شاہ ضیاء الدین احمد مدنی روزانہ محفلِ میلاد کراتے تھے۔ مولانا نور اللہ بصیر پوری نے بھی اس کی تصدیق میں لکھا ہے کہ مولانا ضیاء الدین نے قریباً ۷۵ سال جنت البقیع میں دفن ہونے کی آرزو میں دیارِ حرم میں گزار دیے اور انہوں نے آقا ﷺ کی محفلِ میلاد میں کبھی کوتاہی نہیں ہونے دی۔''

ان جملوں میں انہوں نے حکیم محمد موسیٰ کے نام سے قبل محقِّقِ عصر اور بعد میں مدظلہ کو ہٹا دیا۔ اسی طرح میں نے مولانا نور اللہ نعیمی کے نام سے قبل اور بعد میں فقیہِ اعظم اور رحمتہ اللہ علیہ لکھا تھا، انہوں نے حذف کر دیا۔ اور پھر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی اور مولانا ضیا الدین مدنی علیہما الرحمہ کے اسمائے گرامی سے قبل احتراماً لکھے گئے القاب اور بعد کے دعائیہ الفاظ حذف کر دیے ہیں۔ اس طرح انہوں نے ان الفاظ کو اپنا بنا کر لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بددیانت محقق کو ہدایت کی توفیق دے۔

جنوبی افریقہ کے مسلمان بھی عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مناتے ہیں۔ اردو میں اس کا ذکر پہلی بار راقم الحروف نے ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلادِ اسلامیہ میں'' کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''ابراہیم عمر جیلو ے ایک مضمون تین عیدیں (Three Eids) میں جشنِ میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر کرتا ہے۔ یہ مضمون دربن (Durban) سے شائع ہونے والے دی مسلم ڈائجسٹ میں دسمبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا'' (۶۷)

صدیقی صاحب نے اسے بھی اپنی تحقیق بنالیا اور میرے مضمون کے حوالے کے بغیر مذکورہ بالا الفاظ لکھ دیئے۔

راقم الحروف نے شہر اربل میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے امام ابوشامہ کے الفاظ کا ترجمہ یوں لکھا تھا۔ ہمارے شہر اربل.... شکریہ بھی ہے (۶۸)

صدیقی صاحب نے دو جگہ پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ گرامی کے ساتھ لکھا ہوا درود وسلام حذف کر دیا۔ اور اس کے بعد راجا رشید محمود کے مضمون ''محافلِ میلاد'' سے ملک مظفر الدین شاہ اربل کے حوالے سے ساری بحث لفظی ہیر پھیر اور اختصار کے ساتھ نقل کر دی۔ (۶۹)

مصر میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ عنوان بھی انہوں نے سرقہ سے کام چلالیا۔ راقم الحروف نے اس ذیلی عنوان کے تحت شیخ محمد رضا کی کتاب ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سے ایک عبارت نقل کی تھی جو دو پیراگراف پر مشتمل تھی۔ (۷۰)

صدیقی صاحب نے کچھ فقرے حذف کر کے دونوں پیروں کو یکجا کر دیا۔

پہلے پیراگراف کو ویسے ہی نقل کر دیا۔ دوسرے کی ابتدائی سطور چھوڑ کر جو کچھ نقل کیا، بڑے مضحکہ خیز انداز میں کیا۔ کچھ جملے حذف کر دیے، کچھ فقروں کی ترتیب بدل دی اور پھر ان جملوں کو ترتیبِ نو کے ساتھ اوپر والے پیرے کے ساتھ نتھی کر کے ایک پیراگراف بنا دیا لیکن اسے واوین میں لکھا جو ان کی جہالت، کذب اور چالاکی کا مظہر ہے۔

راقم الحروف نے ایڈورڈ ولیم لین کی کتاب Modern Egyptians سے ترجمہ شدہ ایک اقتباس نقل کیا تھا۔ جس میں مصر میں جشنِ میلاد منانے کا ذکر ہے۔ (۷۱)

یہ عبارت ماہنامہ ''تاج'' حیدر آباد دکن میں اکتوبر نومبر ۱۹۲۴ء کے شمارے میں طبع ہوئی تھی اور یہ رسالہ راجا رشید محمود کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔ صدیقی صاحب نے نہ تو اصل کتاب تلاش کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی مذکورہ بالا رسالہ دیکھا۔ انہوں نے ذرا سی چالاکی سے سرقہ کر کے اسے اپنی تحقیق بنالیا۔ شروع میں لفظ ترجمہ لکھ دیا جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اصل کتاب سے خود ترجمہ کیا ہے لیکن حوالہ ماہنامہ تاج ہی کا دیا۔ آخری جملے کے آخری الفاظ ''آتے جاتے رہتے ہیں'' کو ''آمد ورفت جاری رہتی ہے'' سے بدل دیا۔

مولانا صدیقی سرقہ کا سلسلہ قائم رکھتے ہوئے صفحہ ۸۲۲ پر لکھتے ہیں انوارِ ساطعہ میں ہے کہ ۷۸۶ھ میں مصر کے شہنشاہ نے محفلِ میلاد کے اہتمام کے لیے دس ہزار مثقال سونا خرچ کیا۔ یہ بات انہوں نے راجا رشید محمود کے مضمون

"محافلِ میلاد" سے نقل کی ہے (۷۲) جو ماہنامہ نعت کے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر (حصہ دوم) میں چھپا تھا۔ دلچسپ صورتِ حال یہ ہے کہ راجا صاحب نے ثانوی ماخذ کا حوالہ دیا اور دیانت داری سے ماہنامہ "الجامعہ" محمدی شریف فروری ۱۹۷۹ء ص ۱۹ لکھا لیکن صدیقی صاحب نے راجا صاحب والا ریفرنس ہی لکھ دیا اور اس طرح دوسروں کی کتب و رسائل تلاش کرنے، پھر ان کا مطالعہ کر کے متعلقہ مواد تلاش کرنے اور پھر برمحل ایک دو سطریں یا پیراگراف لکھنے کے صبر آزما مراحل سے بے نیاز اس بے نظیر محقق نے دوسروں کی تحقیق کو جس طرح چوری کیا، اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔

صدیقی صاحب نے صفحہ ۸۲۳، ۸۲۴ پر تلمسان میں عیدِ میلاد کے زیرِ عنوان ساری تحقیق راجا رشید محمود کے مضمون محافلِ میلاد سے چرائی ہے۔ صدیقی صاحب نے نقل کیا ہے:

"شیخ محمد رضا (مصری) نے شاہ تلمسان کے زیرِ اہتمام ہونے والی مجالس میلاد کی تفصیل حافظ سید ابو عبداللہ تونسی ثم تلمسانی کی کتاب کے حوالے سے لکھی ہے۔ سلطان تلمسان شبِ میلاد النبی ... سامعہ کو لطف اندوز کرتے ہیں۔"

مذکورہ بالا عبارت راجا صاحب کے مضمون سے لی گئی ہے جنہوں نے "الفقیہ" امرتسر میلاد نمبر ۱۹۳۲ء ص ۱۳، ۱۴، کا حوالہ دیا تھا۔ (۷۳) صدیقی صاحب نے بھی یہی حوالہ نقل کر دیا۔ راجا صاحب نے شیخ محمد رضا کے نام کے بعد بریکٹ میں مصری لکھا تھا۔ انہوں نے بھی ایسے ہی لکھ دیا۔ راجا صاحب نے تین جگہ نقاط

لگا کر کچھ فقرے حذف کر دیے تھے۔ صدیقی صاحب نے نقاط ختم کر دیے۔ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ واوین میں عبارت لکھنے کے باوجود کچھ الفاظ حذف کر دیے اور کچھ ادل بدل دیا۔ مثلاً بلا استثناء کو اڑا دیا۔ انعقادِ محفل کے بجائے محفل لکھ دیا۔ پھر ایک جملہ " خطباء اسلوب بیان کے مدّ و جزر اور خطابت کے تنوّعات سے سامعین کے قلوب کو گرماتے" کی یوں تصحیح فرمائی "مقررین خطابت کے تنوعات سے سامعین کے قلوب کو گرماتے۔"

راقم الحروف نے "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلادِ اسلامیہ میں" میں عہدِ شاہ جہانی میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذیلی عنوان قائم کیا تھا۔ (۷۴) صدیقی نے آخری جملے میں ذرا سی تبدیلی کر دی۔ اس عنوان کے شروع میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی میرے مضمون سے ہی چرا کر لکھا ہے۔ یہ سارا پیراگراف بغیر کسی تغیر و تبدل کے میرے مضمون سے بلا حوالہ نقل کیا گیا ہے۔ " سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے زمانہ میں ...... منائی جاتی تھی۔"

اس کے بعد لیبیا میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ عنوان صفحہ ۸۲۴ پر ابتدائی پیراگراف میرے مضمون سے نقل کیا گیا ہے۔ پھر ماہنامہ احوال کراچی سے راقم الحروف کی نقل کردہ عبارت لفظ بلفظ نقل کر دی ہے۔ (۷۵)

یہاں دلچسپ صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے۔ میں نے اس کا مکمل ریفرنس حواشی میں درج نہیں کیا تھا بلکہ مضمون میں ہی یہ تحریر کیا تھا۔

'ہفت روزہ احوال کراچی نے اس سال لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں عید

میلاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔" صدیقی صاحب نے اس سال کی جگہ پچھلے سال لکھ کر دھوکا دینے کی کوشش کی۔ حالانکہ میرا مضمون پہلی بار دسمبر ۱۹۸۹ء میں چھپا اور پھر ۱۹۹۲ء میں نور الحبیب بصیر پور نے شائع کیا۔ لیکن صدیقی صاحب کے مطبوعہ مقالہ پر مارچ ۱۹۹۸ء بطور سن اشاعت درج ہے اور حرفِ آغاز کے آخر میں بھی انہوں نے ۱۸ دسمبر ۱۹۹۷ء کی تاریخ لکھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے میرے مضمون پر ہی انحصار کیا اور سرقہ کرتے وقت بدترین خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

برصغیر میں محافلِ میلاد کے ذکر میں مندرجہ ذیل عبارت انہوں نے راجا رشید محمود کے مضمون "محافلِ میلاد" سے انتہائی چالاکی کے ساتھ چرائی اور کافی کتر بیونت کی تا کہ اصل صورت حال کا پتا نہ چل سکے۔ ان کے حواشی ۱۱۰۔۱۱۸ بھی کا ماخذ راجا صاحب کا مذکورہ بالا مضمون ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں لکھا تھا۔" سید حسن مثنی ندوی لکھتے ہیں کہ ۱۸۸۰ء میں ...... سب کو سیرتِ طیبہ کا پلیٹ فارم بنا دیا"۔ صدیقی صاحب نے "سید حسن مثنی ندوی لکھتے ہیں" کے الفاظ حذف کر دیے اور کچھ فقرے متن سے اڑا دیے۔ لیکن حوالہ راجا صاحب کا درج کردہ ہی نقل کر دیا۔ (۷۶)

اس کے بعد والا اقتباس مدیرِ نعت کے ڈیڑھ پیراگراف کی تلخیص ہے۔ یہاں بھی دونوں حوالے انہی کے مضمون سے لیے گئے ہیں۔ پھر لاہور اور راولپنڈی میں عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقاریب کا ذکر بھی وہیں سے چرایا

ہے۔ صدیقی صاحب نے ۱۹۳۵ء کے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلسے میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی تقریر کا جو اقتباس دیا ہے وہ بھی راجا صاحب کے مضمون سے نقل کیا گیا ہے۔ (۷۷)

علامہ صاحب کا خطاب یقیناً طویل ہوگا لیکن صدیقی صاحب بے بلا کم و کاست وہی الفاظ نقل کیے ہیں جو راجا صاحب کے مضمون میں دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے سید نور محمد قادری مرحوم کے مضمون "میلاد اور اقبال" پر ہاتھ صاف کیے۔ (۷۸)

مندرجہ ذیل سطریں ان کی تحریر سے من و عن نقل کی ہیں۔ "لاہور میں میلاد شریف کا باقاعدہ اجتماع... شائع ہوئی تھی"۔ اس کے بعد راجا رشید محمود کے مضمون سے یہ اقتباس نقل کیا" اس سے پہلے ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال ...... انتظام کیا جائے۔ (۷۹)

اس کے بعد ایک دفعہ پھر نور محمد قادری کے مضمون پر حملہ آور ہوئے اور اوپر والے پیراگراف کے ساتھ ایک جملہ ان کا ملا کر پیراگراف مکمل کر دیا۔ اس کے بعد اگلا پیرا سید نور محمد قادری کے مضمون سے لیا۔ یہ ہے صدیقی صاحب کی تحقیق اور جذبۂ اخلاص جس کے تحت انہوں نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

کیا سرقہ وخیانت توشۂ آخرت اور وسیلۂ مغفرت والدین ہیں؟

محمد مظفر عالم جاوید صدیقی صاحب نے صفحہ نمبر ۱۵ پر اس مقالہ کا "انتساب"

ان الفاظ میں تحریک کیا ہے "میں یہ تحفۂ ناچیز تاجدارِ انبیاء و مرسلین، خاتم المرسلین، فخرِ دو جہاں، احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدّس و مطہّر نامِ نامی کے ساتھ معنوَن کرتا ہوں جن کے میلادِ مبارکہ پر یہ مشتمل ہے اور اس کاوش کے توسّل سے اپنے والدینِ مرحومین کی بخشش اور بلندیٔ درجات کے لئے معدن الجود والکرم ﷺ کے حضور صدقِ دل سے التجا کرتا ہوں" گویا اس انتساب کے مطابق صدیقی صاحب کی یہ بہت بڑی نیکی اور عظیم کارنامہ ان کے والدینِ مرحومین کی مغفرت کا وسیلہ ثابت ہوگا۔ وہ اپنے لئے بھی اسے نجاتِ اخروی کا ذریعہ گردانتے ہیں جیسا کہ انہوں نے صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے "اپنے اس مخصوص خاندانی پس منظر کے تحت اور اپنی بے بضاعتی و کم استطاعتی کے یقینِ کامل کے باوجود اس کام کو توشۂ آخرت سمجھ کر پوری جانفشانی اور خلوص و عقیدت سے مکمل کرنے کا ارادہ کیا"۔

یہ مقالہ جو سرقہ و بددیانتی کے ارتکاب کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیا ان کیلئے توشۂ آخرت ثابت ہوگا یا انہیں عذابِ جہنم سے ہمکنار کرنے ذریعہ بنے گا؟ ان کے لئے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت کا وسیلہ بنے گا یا ربِّ قہّار کے قہر و غضب کا سبب؟ آج کل چوری، خیانت اور کذب بیانی کے بعد فکرِ آخرت کا اظہار انتہائی مضحکہ خیز لگتا ہے ہم ایسے اعمال سیئہ اور افعالِ شنیعہ کے مرتکب ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے باز رہنے کا حکم صادر فرمایا اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قول و فعل سے ان سے دوری کا درس دیا

ہے۔ کاش! ہمارے گفتار و کردار میں یکسانیت ہوتی، ہمارے اعمال ہمارے دعوؤں سے مطابقت رکھتے اور اسلاف کی نسبت کا ہمیں ذرا بھی خیال ہوتا تو پھر نہ سرقہ کی ایسی وارداتیں ہوتی، نہ بددیانتی سے کسی دوسرے مسلمان کا مال ہڑپ کیا جاتا اور نہ کسی دوسرے کا تاج اپنے سر رکھنے کی سعیٔ نامشکور کی جاتی۔

مقالہ کے دائرۂ کار کی عدم تعیین

اس مقالہ میں تحقیق کیلئے کوئی دائرۂ کار مخصوص نہیں کیا گیا جو کہ پی ایچ ڈی کی سطح پر ریسرچ کیلئے بہت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ عام کتب کے برعکس اس ڈگری کے حصول کیلئے ہر رطب و یابس کو اپنے مقالے میں شامل کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے، اور عام طور پر آغاز ہی میں ان حدود کا ذکر کر دیا جاتا ہے جو مقالہ نگار اپنی تحقیق کے متعین کرتا ہے لیکن صدیقی صاحب نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ انہوں نے اپنے مقالہ کے صفحہ ۳۵ پر "مولود نامہ" کی یوں تعریف کی ہے۔

"اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کا حال قلمبند کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ صنف حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پیدائش کیلئے وقف ہے لیکن بیشتر مولود ناموں (یا میلاد ناموں یا تولّد ناموں) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں گویا مولود نامہ منظوم سیرتِ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

کا دوسرا نام ہے۔''

یہ تعریف بھی انہوں نے ڈاکٹر انور محمود کے مقالہ سے نقل کی ہے (۸۰) اس کے بعد صدیقی صاحب نے معراج نامہ، وفات نامہ، شمائل نامہ اور نور نامہ کے عنوانات کے تحت ان کی تعریفیں بھی ان ے مقالہ سے ہی نقل کی ہیں (۸۱) یہاں چند امور غور طلب ہیں کہ اولاً تو یہ تعریف ہی ناقص ہے۔ ثانیاً ان کے نزدیک ''مولود نامہ منظوم سیرتِ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دوسرا نام ہے'' اگر ان کی اس بات کو مان لیا جائے تو پھر منثور مولود نامے بلکہ سیرت کی کتب کو اس مقالہ میں شامل کرنا انتہائی حیران کُن معلوم ہوتا ہے۔ اس مقالے میں میلاد، سیرت اور نعت کا امتزاج ملتا ہے حالانکہ ان تینوں کی الگ الگ ادبی پہچان ہے اور ان پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ انہیں خلط ملط کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ صدیقی صاحب نے خود ہی صفحہ ۹۶ پر میلاد اور سیرت کے فرق کو واضح کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک ''میلاد میں حضورِ اکرم ﷺ کی ولادتِ مقدسہ کے واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ اس میں خاص طور پر ان برکات و معجزات کا ذکر ہوتا ہے جو اس دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے رونما ہوئے۔''

ان کی میلاد کی اس تعریف میں دیگر ''ناموں'' کو شمار نہیں کیا جا سکتا لیکن انہوں نے اس قدر زیادہ ''وفات ناموں'' کو ''مولود نامے'' بنا دیا ہے کہ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی تحقیقی کا دائرۂ کار اتنا وسیع تھا کہ اس کی کوئی حدود مقرر نہ تھیں۔

بنیادی مآخذ تک رسائی

پی ایچ ڈی کی سطح پر محقّق کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہر بات لکھنے سے قبل بنیادی مآخذ (Primary Source) تک رسائی کی کوشش ضرور کرے گا لیکن آج کل کے محققین نے کبھی اس کی زحمت گوارا نہیں کی کہ وہ اصل کتاب یا مقالہ کو جو اس وقت دستیاب بھی ہو، تلاش کر لیں بلکہ ثانوی ذرائع پر انحصار کا رجحان روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ ثانوی ذرائع (Secondary Source) کا ہی ریفرنس لکھ کر کام چلا لیا جاتا ہے لیکن ایسا بھی راست گو اور دیانت دار محققین ہی کرتے ہیں، ورنہ ثانوی ذریعہ سے ہی بنیادی مآخذ کا حوالہ چوری کر لیا جاتا ہے، جس کو پکڑنا ہرگز مشکل نہیں ہوتا۔ صدیقی صاحب نے بھی یہی حرکت کی ہے۔ ان کے مآخذ چند کتب و مقالات ہیں لیکن انہوں نے حوالے اصل کتابوں ہی کے نقل کر دیئے ہیں۔ اگر اس مقالے نگار یا مصنف نے ثانوی ذرائع پر انحصار کیا تو انہوں نے بھی ثانوی ذرائع کا ہی حوالہ نقل کر دیا ہے اگر کسی نے کتاب یا مقالہ کے ناشر کا نام اور طباعت کا سال لکھا تو انہوں نے بھی تقلید کی، ورنہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ان کے پورے مقالے میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

بعض احباب کے نزدیک حوالہ جات کا سرقہ کوئی اتنی بڑی برائی نہ ہو مگر بحرِ تحقیق کے شناور بخوبی جانتے ہیں کہ بعض اوقات ایک کتاب یا مقالہ تلاش کرنے

میں طویل عرصہ لگ جاتا ہے جیب کو بھی ہلکا کرنا پڑتا ہے اور کسی کا احسان بھی لینا مجبوری ٹھہرتی ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض اوقات کسی کتاب کے نہ ملنے کی وجہ سے مہینوں بلکہ کبھی برسوں تحقیق آگے نہیں بڑھتی لیکن ایسے سرقہ باز چوری شدہ تحقیق سے کام چلا لیتے ہیں۔ انہیں ڈگریاں بھی مل جاتی ہیں اور ان کی ایسی مسروقہ تحقیق زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے کے بعد داد و تحسین کی مستحق بھی ٹھہرتی ہے۔

املا کی غلطیاں

یہ مقالہ املا کی اغلاط سے بھی لبریز ہے۔ اس میں اردو املا کی غلطیوں سے قطعِ نظر قرآنی آیات لکھتے وقت بھی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ قرآنِ پاک کی کسی آیت یا آیت کا ٹکڑا نقل کرتے وقت غلطی کا باعث تسامع یا سہو ہو سکتا ہے لیکن آج کل ایسی اغلاط زیادہ تر مصنفین کی جہالت کا نتیجہ ہوتی ہیں لیکن اپنی ''بے بضاعتی'' کے اعتراف کے باوجود ہر قلمکار اپنے آپ کو علاّمہ سمجھتا ہے اور قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی آیات کے مطالب و مفاہیم کے بارے میں تفکُّر و تدبُّر تو کجا، کبھی اس کی آیات لکھتے وقت بھی اسے کھولنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ اس مقالہ میں صدیقی صاحب نے آغاز ہی میں انتساب رقم کرتے وقت صفحہ ۱۵ پر ایک آیت مبارکہ کا متن دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

وَاَمّا لسآئِلَ فَلَا تَنْہَرُ ٥ (الضحیٰ : ۳۰/۱۰)

یہاں " وَ اَمَّا السَّآئِلَ " ہے یعنی ''س'' پر تشدید ہے۔ اس کے بعد سورۃ کا نمبر ۹۳ کے بجائے ۳۰ لکھا ہے۔ صفحہ ۱۶۲ پر سورۃ النجم کی چوتھی آیت ''اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی '' میں یوحیٰ کی پہلے پائے متصلہ پر تشدید نہیں ڈالی گئی۔ صفحہ ۱۶۴ پر سورۃ آلِ عمران کی آیت ۸۱ کا ایک حصہ نقل کرتے وقت بھی غلطی کی گئی ہے ''لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّه '' کو غلط املا و اعراب کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے ص ۱۴۶ پر سورۃ البقرۃ کی آیت کا حصہ بھی درست اعراب کے ساتھ نہیں لکھا۔

میرا یہ ایمان ہے کہ کوئی مسلمان عمداً قرآنِ پاک کے الفاظ غلط املا سے لکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح غلط اعراب بھی جان بوجھ کر لگانے کی حرکت کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ یہ درست ہے کہ قرآنی آیات کی غلط املا یا ان پر اعراب میں غلطی کتابت یا کمپوزنگ میں سہو کا نتیجہ ہو سکتی ہے لیکن اگر اعراب اپنے ہاتھ سے لگائے جائیں اور ہر آیت میں ایک سے زیادہ غلطیاں پائی جائیں تو یہ مصنف کی قرآنِ پاک سے دوری اور بے توجّہی ہے۔ مجھے ضیائے حرم کا میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی تھی کیونکہ اس میں ناقص پروف ریڈنگ کے باعث کمپوزنگ کی اتنی غلطیاں چھپ گئیں کہ مجھے اپنے دوست اُس وقت کے مدیرِ ضیائے حرم گل محمد فیضی صاحب کی جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ سے شکایت کرنا پڑی۔ صدیقی صاحب اگر قرآنِ پاک سامنے رکھ لیتے تو ایسے تسامحات سے بچ جاتے۔

حروفِ مقطّعات جب حضور خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے استعمال کیے

جائیں تو ان کو قرآنی املا میں ہی لکھنا درست ہے۔ اب صدیقی صاحب کے "حرفِ آغاز" سے ایک جملہ ملاحظہ فرمائیں اور اس میں املا کی غلطیاں دیکھیں جو انہوں نے اس مقالے کے صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کبھی "طٰہٰ و یٰسین اور کبھی نون والقلم کہہ کر خطاب فرمایا ہے"۔۔۔۔۔ طٰہٰ و یٰسین کی درست املا "طٰہٰ اور یٰسٓ اور نون والقلم کی قرآنی املا "نٓ والقلم" ہے۔

جہاں تک اردو املا کا تعلق ہے اس میں بھی بہت غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ مقالہ نگار نے اردو املا کے اصول مدِنظر ہی نہیں رکھے حالانکہ یہ اردو میں پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا۔ اس کی ایک مثال ہمزہ کا بکثرت استعمال ہے۔ عربی اور اردو میں ہمزہ کا استعمال یکساں نہیں ہوتا۔ عربی میں ہمزہ کا استعمال بالکل اسی آواز کیلئے ہوتا ہے جس کیلئے اردو میں "الف" مستعمل ہے۔ عربی میں خالی "الف" کا استعمال ہوتا ہے جو فقط قراءت کیلئے ہوتا ہے۔ عام آدمی خالی الف، چھوٹی اور بڑی مد والے الفاظ پڑھنے میں کوئی تفریق نہیں کرتا، جب کسی لفظ میں بغیر اعراب کے الف آئے تو اس کے بعد ہمزہ آتا ہے مثلاً انبیاء، اولیاء، شعراء، ادباء وغیرہ۔ اردو میں ان الفاظ کو بغیر ہمزہ کے اپنا لیا گیا ہے۔ لہٰذا ان میں ہمزہ نہ لکھا جائے گا ۔(۸۲) صدیقی صاحب نے ایسے الفاظ کے ساتھ ہر جگہ ہمزہ استعمال کیا ہے۔ مثلاً املاء (ص ۲۳، ۵۵۳، ۵۵۴)، اولیاء (ص ۵۵۶)، ارتقاء (ص ۲۰، ۲۳)، ابتداء (ص ۱۰۷)، بناء (ص ۳۴۱) اجراء (ص ۱۹) انہوں نے ایک صوفی کی جمع

"صوفیاء" (ص ۱۹، ۱۰۷، ۱۵۲) پر استعمال کی ہے جو غلط العام ہے۔ صوفی کی جمع "صوفیہ" ہے۔

ریفرنس کے اندراج میں عدم یکسانیت

جامعات کی سطح پر اعلیٰ ڈگریوں کے حصول کیلئے جو مقالے پیش کئے جاتے ہیں، ان کے مآخذ و مراجع بتائے جاتے ہیں اور ان کے اندراج کے لئے ہر مضمون میں ایک طریق کار مروّج ہے۔ اس مروّجہ طریقہ سے انحراف مناسب نہیں۔ سائنس اور لسانیات کے مضامین میں ریفرنس درج کرنے میں تھوڑا سا فرق ہے۔ بہرحال جس محقق نے خود تحقیق کی ہوتی ہے اس کے مقالہ میں شروع سے آخر تک ریفرنس لکھنے کا طریقہ ایک ہی ہوتا ہے۔ چونکہ صدیقی صاحب نے مقالہ میں دل کھول کر سرقہ فرمایا ہے، اس لئے ان کا حوالہ جات کے اندراج کا طریقہ یکسانیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے جہاں سے مواد چوری کیا، وہاں جس طرح ریفرنس درج تھا، ویسے ہی نقل کر دیا اور نقل کرتے وقت عقل سے کام لینے کی زحمت نہیں فرمائی۔ جہاں مکمل ریفرنس ملا وہاں پورا درج کر دیا اور جہاں مطبوعہ مواد کا سن طباعت درج نہیں تھا یا کسی مخطوطہ کا سنِ تحریر لکھا نہ ملا، ویسے ہی لکھ دیا۔ اس طرح بے شمار حوالہ جات میں ناشر یا مطبع کا اندراج بھی نہیں ہے جو ان کی دُزدی کا ایک بین ثبوت ہے۔

حوالہ درج کرتے وقت پہلے مصنف کا نام پھر کتاب کا عنوان، اس کے بعد

ناشر کا نام یا صرف مقامِ اشاعت اور تاریخِ طباعت یا سنِ اشاعت اور پھر جلد نمبر اور صفحہ نمبر لکھا ہوتا ہے، بعض محققین کتاب یا مقالہ کا نام پہلے لکھ دیتے ہیں، اس کے بعد بریکٹ میں مصنف کا نام درج کرتے ہیں۔ ایک بار حوالہ دینے کے بعد اگر اس کے فوراً بعد ایک یا ایک سے زیادہ بار اسی کتاب کا حوالہ دینا ہو تو فقط ''ایضاً'' لکھ کر صفحہ نمبر تحریر کر دیا جاتا ہے۔ بعض ''حوالہ سابق'' بھی لکھ دیتے ہیں ۔ لیکن صدیقی صاحب کا انداز منفرد ہے۔ کبھی تو وہ ایک ہی کتاب اور مصنف کے نام کا دس بار بھی اعادہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور کبھی ''ایضاً'' بھی لکھ لیتے ہیں۔

مثلاً صفحہ ۹۱۲ پر انہوں نے ایک حوالہ درج کیا ہے۔ ''شاہ نامہ اسلام (حفیظ جالندھری) جلد اول ......'' اسکے بعد دوبارہ اسی کتاب کا حوالہ دینے کے لیے انہوں نے ''ایضاً'' لکھ دیا جو کہ بالکل درست ہے لیکن صفحہ ۸۷۶ پر ایک ہی ماخذ کا نام ان الفاظ میں انہوں نے چار مرتبہ دہرایا ہے۔

''مولود نامہ، مخطوط کتب خانہ ادبیاتِ اردو، حیدر آباد دکن''

اسی طرح انہوں نے درج ذیل صفحات پر ایک ہی ریفرنس کو کئی کئی بار تحریر کیا ہے اور نہ جانے کیوں یہاں ''ایضاً'' سے کام نہیں چل سکا۔

صفحہ ۸۷۹ پر تذکرہ مخطوطات، جلد پنجم (سید محی الدین قادری زورؔ) ۴ بار

صفحہ ۸۸۳ پر کتب خانہ سالار جنگ مرحوم کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست

(نصیر الدین ہاشمی) ۳ + ۴ = ۷ بار

صفحہ ۸۸۷ پر مخطوطات انجمن ترقی اردو، جلد ششم (افسر صدیقی امروہوی) ۵ بار

صفحہ ۸۹۱ پر مولود شریف شہید ۶ + ۱۰ = ۱۶ بار

صفحہ ۸۹۳ پر دیوانِ لطفؔ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی۔ ۳ بار

صفحات ۸۹۳، ۸۹۴ پر دیوانِ لطفؔ ۷ + ۱۰ = ۱۷ بار تکرار ہے

صفحہ ۹۰۶ پر میلاد گوہر (منشی گوہر علی خان گوہرؔ رامپوری) ۴ بار

صفحہ ۹۰۷ پر آمنہ کا لال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (علامہ راشد الخیری) ۶ بار

اور صفحہ ۹۱۲ پر آفتاب نبوت (سید ایوب احمد صابرؔ شاہجہانپوری) ۵ بار لکھا گیا ہے

لیکن اس سے زیادہ اپنے بے مثل محقق ہونے کا ثبوت انہوں نے ان دو حوالوں کے اندراج میں دیا ہے۔ صفحہ ۹۱۰ پر میلادِ اکبرؔ (خواجہ محمد اکبر وارثی) کا ریفرنس تحریر کرنے کے بعد اگلے حوالے کے لیے انہوں نے صرف ''ایضاً'' لکھا ہے۔ اس کے فوراً بعد دوبارہ پورا حوالہ ''میلادِ اکبر (خواجہ محمد اکبر وارثی) '' پھر دوبارہ ''ایضاً'' ۔ اس سے اگلا ریفرنس یہی میلادِ اکبر (خواجہ محمد اکبر وارثی) اس کے بعد ''ایضاً'' اور پھر میلادِ اکبر (خواجہ محمد اکبر وارثی) '' لکھا ہے۔ ظلم کی انتہا ہے کہ یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے اور مقالہ نگار بھی اپنی عمر عزیز کی نصف سینچری ''تعلیم و تدریس'' کی نذر کر چکا ہے۔ دو اور ایسی ہی دلچسپ مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

صفحہ ۹۱۳ پر ''میلادِ حامدؔ (علامہ حامدؔ الوارثی) '' کو ۳ بار لکھنے کے بعد دو مرتبہ ''ایضاً''

لکھا اور اس کے بعد ایک بار پھر میلادِ حامد (حامد الوارثی) "بطور حوالہ درج کیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۹۱۵ اور ۹۱۶ پر "میلادِ زہرا (سیدہ فاطمۃ الزہرا بلگرامی)" کا حوالہ چار بار، پھر تین مرتبہ "ایضاً" اس کے بعد ایک مرتبہ "میلادِ زہرا (سید فاطمہ الزہرا بلگرامی) اور پھر چار بار "ایضاً" لکھا ہے۔

تنقید و تجزیہ اور تقابُل کا فُقدان

ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لیے کی جانے والی ریسرچ محض چند کتب سے مواد جمع کر دینے کا نام نہیں۔ اس میں مواد تو دیگر کتب سے ہی اخذ کیا جاتا ہے لیکن مختلف مصنفین یا شعرا کے پیش کردہ تصوّرات کا ایک دوسرے سے تقابُل کیا جاتا ہے۔ بعض کے محاسن اور دیگر کے معائب گنوائے جاتے ہیں۔ اگر کسی تحقیقی مقالہ میں تنقید، تقابل اور تجزیہ موجود نہ ہو تو اس میں مقالہ نگار کچھ نہیں کرتا، اس کی حیثیت فقط ایک نقل نویس یا ٹائپسٹ کی رہ جاتی ہے۔ مقالہ نگار کو چاہیے کہ وہ جو کچھ بھی اپنے مقالے میں شامل کرے، اس میں جدّت کا عُنصر ضرور موجود ہو۔ اس کے عنوانات تک میں نیا پن ظاہر ہو۔ پھر بلا امتیاز ہر بات پر ناقدانہ انداز میں بحث کرے۔ قبول ورد کا کوئی معیار متعین کر کے کوئی بات ثابت کرے یا پھر اسے مسترد کرے۔ اسے اپنے قائم کردہ معیار کا ہر حال میں خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح ایک جیسے نظریات و تصورات کا موازنہ کرنا بھی بہت ضروری ہے اور یہ کام انتہائی زیرک اور تنقیدی دماغ کا حامل شخص ہی سرانجام دے سکتا

ہے۔ مقالہ نگار کا ہر مسئلہ سے متعلق تجزیہ (Analysis) پڑھ کر فوراً اس کی ذہنی سطح کی آگہی حاصل ہو جاتی ہے،

زیرِ نظر مقالہ میں تنقید، تقابلی جائزہ اور تجزیہ سے بہت کم کام لیا گیا ہے، فقط مواد اکٹھا کرنے کو تحقیق سمجھ لیا گیا ہے جس سے مقالہ نگار کی سطحی اپروچ کی عکاسی ہوتی ہے۔

درود شریف اور مقالہ نگار کا بُخل

صدیقی صاحب نے مقالہ کے دوسرے باب میں "حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر درود وسلام بھیجنا واجب ہے" کا عنوان قائم کیا ہے (۸۳) اس کے علاوہ اسی باب میں انہوں نے "خیر جوئی اور حصولِ ثواب" کے زیرِ عنوان بھی درود شریف کی فضیلت سے متعلق احادیث نقل کی ہیں (۸۴)۔ لیکن ان کی بدقسمتی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جہاں بھی اسمِ گرامی لکھا یا آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ السلام کے لیے کوئی اسمِ ضمیر استعمال کیا، درود شریف لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ راقم الحروف (محمد سلطان شاہ) نے اپنے مضمون "جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ پڑھے" میں لکھا تھا "ربِّ ذوالجلال اور اس کے فرشتوں کی سنت پر عمل پیرا ہونا باعثِ نزولِ رحمت ہے۔ یہ کفارۂ ذنوب ہے، وسیلۂ شفاعت ہے، جہنم سے نجات اور بہشت کے حصول کا ذریعہ ہے، اور منہ مانگی مرادیں حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ خالق و مالک جل

شانہ، کی اس پیاری پیاری سنت کو ترک کر دینا مسلمان کی سب سے بڑی بدقسمتی
ہے۔ ویسے تو ہر اچھے موقع پر درود شریف پڑھنا چاہیے، لیکن جب رسولِ مکرم، نبیٔ
معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ مبارک زبان پر آئے یا کان سنیں تو درود و سلام
پڑھنا از حد ضروری ہے کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں سرکارِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم کا مبارک نام سن کر درود نہ پڑھنے والے پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں'' (۸۵)
اسی مضمون موجودہ دور کے قلمکاروں کی لغزش کی طرف بھی توجہ مبذول کرائے
ہوئے لکھا تھا۔ ''جس طرح مقرر، خطیب اور ''علما'' اپنی تقریروں میں درود و سلام
سے غافل رہتے ہیں، اسی طرح قلمکار اکثر و بیشتر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کا اسمِ گرامی لکھتے وقت درود و سلام نہیں لکھتے یا اختصار سے ''صلعم'' لکھ دیتے ہیں،
جو درست نہیں'' (۸۶) اس کے بعد فتاویٰ افریقہ سے اعلحضرت احمد رضا خاں
بریلوی قدس سرہ العزیز کا فتوی درج کیا تھا۔ (۸۷)۔

چندروز قبل دوران مطالعہ ان کے طویل فتاویٰ رضویہ الموسوم بہ ''العطایا النبویہ
فی الفتاوی الرضویہ'' کی جلد چہارم میں اس سلسلے میں ان کے یہ کلمات پڑھے جو
انہوں نے ایک استفسار کرنے والے کی عبارت دیکھ کر تحریر فرمائے تھے۔ ''درود
شریف کی جگہ جو عوام و جُہّال ''صلعم'' یا ''ع'' یا ''م'' یا ''ص'' یا ''صللم'' لکھا
کرتے ہیں، محض مہمل و جہالت ہے۔ القلم احدی اللسانین۔ جیسے زبان سے
درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود شریف کو ادا نہ کرے گا۔ ایسی کوتاہ قلمی
سخت محرومی ہے۔۔۔۔ نامِ پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے۔ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم'' (۸۸)

مفتی محمد شفیع نے ''معارف القرآن'' میں حضور نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
کے اسمِ گرامی کے ساتھ درودِ پاک لکھنے کے بارے میں یہ تحریر کیا ''جس طرح
زبان سے ذکرِ مبارک کے وقت زبانی صلوٰۃ و سلام واجب ہے، اسی طرح قلم
سے لکھتے وقت صلوٰۃ وسلام کا قلم سے لکھنا بھی واجب ہے'' (۸۹)

شعروں میں نبیٔ کریم علیہ والصلوٰۃ والتسلیم کے اسمِ گرامی یا آپ صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کے لیے استعمال کی گئی ضمیر پر درود شریف درج کرنے کے بجائے اگر
(ص) کا نشان اس نیت سے ڈالا دیا جائے کہ ان اشعار کو پڑھنے والے کو درود
شریف پڑھنے کی ترغیب ملے تو اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن ایسے اشعار پڑھنے
والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصرع مکمل کر کے پورا درود شریف پڑھنے کی
سعادت سے محروم نہ رہے۔ ممتاز نعت گو اور محقق راجا رشید محمود کی بھی یہی رائے
ہے (۹۰) لیکن نثر یا نظم میں جہاں ممکن ہو، ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔ میری رائے
میں جو وعیدیں حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر سن کر درود شریف نہ
پڑھنے کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں، ان کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے
اسمِ پاک کے ساتھ درودِ پاک نہ لکھنے والوں پر بھی ہوتا ہے اور احادیثِ مبارکہ
میں محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا ذکر سن کر درود و سلام نہ بھیجنے والے کو ''بخیل''
اور ''ذلیل و خوار'' قرار دیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں ڈاکٹر صدیقی نے درودِ پاک لکھنے سے حتی المقدور اجتناب کیا

ہے اور مباحث میں صرف (ص) ڈال کر کام چلا لیا جو کہ مقالہ نگار کی بد نصیبی کی دلیل ہے۔ انہوں نے تو ظلم کی انتہا کر دی کہ کسی اور محقق کی تحریر بلا حوالہ نقل کرتے وقت یا کسی مصنف کی تحریر کا اقتباس لکھتے وقت جہاں حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ گرامی کے ساتھ درود وسلام لکھا تھا، اسے بھی حذف کر دیا۔ دراصل انہوں نے ''سرقہ'' چھپانے کے لیے اس گناہ کا ارتکاب کیا اور دنیا و آخرت میں اپنی بربادی کا سامان کر لیا۔ اب اس مقالہ سے چند ایسی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

''اور پیر محمد کرم شاہ نے اپنی تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال واقعۂ فیل ہوا اور قاضی نواب علی نے عام الفیل کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا سال قرار دیا ہے''۔ یہ الفاظ راقم الحروف کے ہیں صرف درود شریف حذف کر دیا گیا ہے۔ ''انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق تھا اور تادمِ مرگ یہی جذبہ موجود رہا''۔ (۹۳)

میرا ایک مضمون ''مقدس کتب کی بشارت'' ڈکارتے ہوئے انہوں نے متعدد بار اس فعل قبیح کا ارتکاب کیا۔ میثاق کے حوالے سے میری تحریر کردہ عبارت چوری کرتے وقت انہوں نے ''حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور ''خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء'' کی جگہ صرف ''حضور'' لکھا اور حضور علیہ السلام'' کی جگہ ''آپ'' درج کر دیا۔ تورات کی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں کے متعلق میری تحریر کو اپنی ''تحقیق'' بناتے وقت حضرت موسیٰ و محمد علیہما السلام کے اسماءِ مبارکہ کے ساتھ لکھے ہوئے کلمات ''علیہ الصلوٰۃ

والتسلیم'' اور ''علیہ السلام'' کو حذف کر دیا۔ انجیل برناباس سے میرے مضمون کو نقب لگاتے وقت آخری رسول کے بعد بریکٹ میں درج شدہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہیں نظر نہ آیا۔ اسی طرح انجیل متی سے حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت نقل کرتے وقت میرے مضمون میں موجود ''پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کی جگہ ''نبیِ کریم'' اور سرورِ کائنات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بجائے صرف ''حضور'' لکھ دیا۔ پورا درود وسلام لکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ ایسے ہی مکہ مکرمہ میں میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زیرِ عنوان انہوں نے ماہنامہ ''نعت'' کی چرائی ہوئی عبارت نقل کرتے وقت ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' اور ''حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے بجائے صرف ''نبیِ کریم'' لکھ دیا۔

صدیقی صاحب نے جو نعتیہ کلام کے نمونے نقل کیے ہیں۔ ان میں جہاں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ پاک آیا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک نام کی جگہ ضمیر استعمال ہوئی ہے، وہاں اکثر ''ص'' کا نشان نہیں ڈالا۔ حتیٰ کہ کئی جگہ اشعار میں آپ کا اسمِ گرامی ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بھی موجود ہے۔ دیگر اسماءِ مبارکہ ''نبی''، ''پیغمبر، مصطفیٰ''، ''رسولِ عربی'' پر ''ص'' کا نشان تک نہیں ڈالا۔ حالانکہ نثر میں انہوں نے 'ص' ڈالنے کا بڑا اہتمام کیا ہے ان کا حال یہ ہے کہ خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسما پر ''رض'' کا نشان ڈالا ہے اور اس کے فوراً بعد کے اشعار میں ''شہِ ابرار'' اور ''احمدِ مختار'' پر پورا

درود پاک لکھنا تو کجا، ”ص“ کا نشان تک نہیں ڈالا (۹۴)۔

بے جا طوالت

محترم ڈاکٹر صدیقی صاحب نے یہ مقالہ تحقیقِ مسروقہ سے اتنا ضخیم بنا دیا ہے کہ جو بھی اسے دیکھے ان کے تبحرِ علمی اور عرق ریزی کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ جو شخص مطالعہ کرنے کا عادی ہو اور اس کا مطالعہ کافی وسیع ہو، وہ تو صدیقی میاں کے سرقہ کا سراغ لگا ہی لے گا لیکن عام قاری جو اس موضوع کو پہلی دفعہ پڑھ رہا ہے اور اسلوبِ تحقیق کے رموز سے بھی نا آشنا ہے وہ مقالہ، نگار کے درج کردہ حوالہ جات کے بار تلے دبتا چلا جائے گا۔ دراصل انہوں نے اس مقالہ میں بے جا طوالت سے کام لیا ہے۔ بعض ذیلی عنوانات بلاوجہ قائم کیے گئے ہیں، بے شمار مقامات پر غیر متعلقہ مواد کو میلادیہ ادب کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے، شمائل نامہ، نور نامہ، معراج نامہ، وفات نامہ، مختصر ہر ”نامہ“ کے لاحقہ والی صنفِ نظم و نثر کو ”مولود نامہ“ سمجھ لیا گیا اور پھر جن شعرا ادبا کا کوئی ”نامہ“ نہیں تھا اور ان کا نعتیہ دیوان میں کوئی ایک آدھی نعت ملی، اس کو میلادیہ کہہ کر اپنے مقالے کی ضخامت بڑھانے کے لیے شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ”اردو میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ کے آغاز میں دس صفحات پر مشتمل مندرجات کی ایک مفصل فہرس دی گئی ہے۔ پھر ایک باب کے شروع میں دوبارہ ان ”مولود نگاروں“ کے اسما درج کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

یادش بخیر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی علیہ الرحمہ نے (۱۹۰۵ء-۱۹۹۵ء) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹر ظفر الحسن کی زیرِ نگرانی پی ایچ ڈی کے لیے ”مجددِ الفِ ثانی کا نظریۂ توحید“ کے عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھا تھا جو صرف ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے (۹۵-الف)۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مطبوعہ مقالہ ”The Development Of Metoplysics In Persia“ کا متن صرف ۱۴۹ صفحات پر محیط ہے (۹۵)۔ جس پر انہیں میونخ یونیورسٹی (جرمنی) نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی تھی۔

تکرارِ مباحث

چونکہ ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی صاحب اندازِ تحقیق اور سلیقۂ تحریر سے نابلد ہیں، اس لیے انہوں نے مواد جمع کرتے وقت ایک ہی موضوع پر ایک سے زیادہ مقامات پر نقل نویسی کا کارنامہ سرانجام دیا ہے اور انہوں نے تکرارِ مباحث سے بھی اجتناب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر شہاب الدین کے مقالہ میں ایسا کیا گیا ہو اور صدیقی میاں نے بھی اسی طرح نقل کر دیا ہو لیکن جب تک مذکورہ بالا محقق کا مقالہ نہیں ملتا، کوئی فیصلہ صادر کرنا مشکل ہے۔ تاہم اگر ڈاکٹر شہاب الدین صاحب کے مقالہ میں بھی یہ خامی موجود ہو، تب بھی صدیقی صاحب بری الذمہ قرار نہیں دیئے جا سکتے بلکہ اس سے ان کے فارغ از علم و عقل ہونے کی غمازی ہوتی ہے۔

میلادناموں کے ماخذ میں سب سے پہلے ایک جیسے موضوعات کی تکرار کی گئی۔ مثالیں اس مقالے میں موجود ہیں مثلاً میلادناموں کے ماخذ میں سب سے پہلے اس میں قرآنِ مجید میں سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسماءِ مبارکہ نقل کئے گئے ہیں (۹۶)۔ جو دراصل انہوں نے ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالہ سے نقل کئے ہیں (۹۷)۔ انہوں نے بھی وہی ۱۳۷ اسما درج کئے ہیں جو ڈاکٹر ریاض نے دیئے ہیں۔ بس بعض کی ترتیب بدل دی ہے، جب ایک دفعہ اسماءِ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر کر چکے تو پھر انہوں نے اسماءِ النبی الکریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا الگ عنوان کیوں قائم کیا (۹۸)۔ اور اس موضوع پر جو کچھ مل سکا، یکجا کر دیا۔ یہ مواد زیادہ تر ڈاکٹر ریاض مجید اور صوفی برکت علی سے نقل کیا گیا ہے۔

محسنینِ ملّت اور صالحین کا عدمِ احترام

ڈاکٹر صدیقی کا تعلق ایسے طبقے سے ہے جہاں انبیاءِ کرام، اہلِ بیتِ اطہار، صحابۂ کرام، مشائخ عظام اور علمائے حق کا بہت احترام کیا جاتا ہے ان میں سے جس بزرگ ہستی کا بھی ذکر کیا جائے، انتہائی ادب سے کیا جاتا ہے۔ ان کے نام کے ساتھ احتراماً لکھے جانے والے الفاظ کو کبھی فراموش نہیں کیا جاتا ہے، ان کا اپنا دعویٰ ہے کہ ”میری پرورش خاندان کے مذہبی ماحول کے زیرِ اثر ہوئی جس میں دن رات نبی کریمؐ کے اسوۂ حسنہ اور بزرگان کی کرامات کا تذکرہ رہتا۔ والدِ محترم

محمد شریف ارشد صدیقی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۸ء) کی صورت و سیرت میں فقیری و درویشی اور تصوف کو آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے دیکھا“ (۹۹)۔

پہلے اسی عبارت پر غور فرمائیے۔ انہوں نے اپنے والدِ محترم کے نام کے ساتھ ”رحہ“ کے بجائے پورا ”علیہ الرحمۃ“ لکھا ہے لیکن سیدِ ہر عالم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ پاک کے ساتھ ”صہ“ ڈال دیا ہے۔ انہوں نے اپنے والد ”علیہ الرحمۃ“ کے علاوہ کسی کو قابلِ احترام اور لائقِ ستائش نہیں سمجھا۔ صرف ایک ہی مثال کافی ہوگی۔ میں نے اپنے مضمون ”میلاد النبی ﷺ بلادِ اسلامیہ میں“ کے ایک ذیلی عنوان ”مدینہ منورہ میں عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم“ میں چند بزرگوں کا ذکر کیا تھا۔ میں نے ان کی نام جس طرح لکھے تھے، صدیقی نے ان کے سابقے اور لاحقے ختم کر دیئے مثلاً حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز، حضرت شاہ ضیاء الدین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فقیہِ اعظم مولانا نور اللہ نعیمی بصیرپوری رحمۃ اللہ علیہ اور محققِ عصر حکیمِ اہلسنت محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ، کے اسما کو انہوں نے صرف احمد رضا بریلوی، مولانا ضیاء الدین، مولانا نور اللہ بصیرپوری اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری کر دیا۔ (۱۰۰)

کسی کا قول یا اقتباس نقل کرتے وقت مقالہ نگار کی چالاکی

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے مطابق جب کوئی اقتباس دیا جاتا ہے یا کسی کا قول اسی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے تو اس کے اول و آخر واوین ” “ کی علامت

لگائی جاتی ہے(۱۰۱)۔ لیکن صدیقی صاحب نے جو حال واوین کے اندر
اقتباسات کا کیا ہے، اس کی مثال کم از کم میری نظر سے آج تک نہیں گذری۔
چونکہ اصل کتب تو انہوں نے دیکھی نہیں تھیں۔ ثانوی ذرائع پر انحصار کرتے وقت
انہوں نے اپنی بددیانتی کو اخفا میں رکھنے کی خاطر دوسروں کے اقوال و اقتباسات
میں کہیں الفاظ حذف کر دیے، کہیں جملے تبدیل کرنا ضروری سمجھے اور بعض اوقات
الفاظ کے مترادف لکھ دیے۔ ان کی خیانت کا یہ عالم ہے کہ ثانوی ذریعہ
(Secondary Source) میں اگر کہیں نقاط ------- لگا کر کچھ
جملے چھوڑ دیے گئے تھے تو انہوں نے عبارت کو مسلسل کر دیا، جس سے ان کے
اصل کتاب نہ دیکھنے کی غمازی ہوتی ہے لیکن اس سے بھی بڑی حماقت کا ثبوت
انہوں نے یہ دیا کہ دو مختلف کتب میں کسی ایک کتاب کے اقتباسات مل گئے۔
انھوں نے ان دونوں کو یکجا کر کے واوین میں لکھ دیا لیکن حوالے دونوں ثانوی
ذرائع کے درج کیے۔ ایک واوین کے اندر دو کتب سے ماخوذ اقوال یا اقتباسات
کے اندراج کی انوکھی مثال اس مقالہ کے علاوہ شاید کہیں اور نہ مل سکے۔ مثال
کے طور پر صفحہ ۱۳۹ پر ایک اقتباس واوین (Inverted Commas)
میں دیا گیا ہے لیکن اس میں ریفرنس کے لیے ۲۸۵ اور ۲۸۶ نمبر درج ہیں۔ حوالہ
جات میں میر محمد ابراہیم سیالکوٹی اور شریف سیالوی کی کتابوں کے نام لکھے
ہیں۔ یعنی جس عبارت کو انہوں نے بطور ایک وحدت درج کیا ہے، وہ دراصل دو
الگ الگ اقتباسات ہیں۔

مقالہ میں غیر متعلقہ مواد کی نشاندہی

چونکہ ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی نے زیادہ تر "نقل" اور "سرقہ" کے ذریعے
یہ مقالہ مکمل کیا ہے اس لیے انہوں نے اس امر کا قطعاً خیال نہیں رکھا کہ جو کچھ وہ
لکھ رہے ہیں، اس کا ان کے موضوع سے تعلق بھی ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان
کا مقالہ غیر ضروری اور غیر متعلقہ مواد سے بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے نور نامہ،
معراج نامہ وفات نامہ، شمائل نامہ اور معجزاتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
وغیرہ کو "مولود نامہ" ہی سمجھا ہے۔ ان کے نزدیک بعض سیرت کی کتب بھی موالید
ہی ہیں جو سیکڑوں صفحات پر محیط ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہر باب سے ایسے مواد
کی نشاندہی کی گئی ہے جو بلاوجہ اس مقالہ کی ضخامت بڑھانے کا باعث ہے، ورنہ
اس کا مقالہ کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر یہ غیر متعلقہ مواد خارج کر دیا
جائے تو مقالہ سکڑ کر ایک چوتھائی بھی نہ رہے۔

باب اول

مقالہ نگار نے باب اول بعنوان "میلاد کے تمہیدی مباحث / موضوع و فن"
میں کئی غیر متعلقہ عنوانات کو شامل کر کے بلاجواز اپنے مقالے کا حجم بڑھانے کی
کوشش کی ہے۔ تخلیقِ آدمؑ، حضرت آدمؑ کی تخلیق بغیر ماں باپ کے، حضرت حوّاؑ کی
پیدائش آدم کی بائیں پسلی سے، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے، مرد و
عورت کے اختلاط سے پیدائش اور ٹیسٹ ٹیوب سے پیدائش جیسے موضوعات کو
شامل کرنا نہ جانے کیوں ضروری سمجھا گیا۔ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی

حیاتِ طیبہ کے چند نمایاں پہلو، شقِ صدر کا واقعہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح، کعبہ کی تعمیرِ نو، بعثت و نبوت، ہجرتِ مدینہ، بدر سے فتحِ مکہ تک کے حالات کا سرسری جائزہ، غزوۂ اُحُد، جنگِ احزاب یا غزوۂ خندق، فتحِ مکہ، حجتہ الوداع، وفات مبارکہ، معراج شریف، معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اخلاق و عادات اور تعلیمات وارشادات کیسے میلاد کے تمہیدی مباحث بن گئے یا میلاد کے موضوع وفن سے متعلق ہو گئے۔ عام طور پر پی ایچ ڈی کے مقالات کا پہلا باب بڑا متاثر کن ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سارے مقالہ کی بنیاد ہوتا ہے اور اسی پر مقالہ کی ساری عمارت کھڑی کی جاتی ہے لیکن اگر خشتِ اول ہی ٹیڑھی رکھی جائے اور بنیاد ہی انتہائی کمزور ہو تو پھر عمارت کیسے مضبوط ہو سکتی ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اس پہلے باب میں مولود نامہ کے مطالب و مفاہیم پر مفصل بحث ہونا چاہیے تھی اور پھر اس کی ایک جامع تعریف دے کر اس امر کی تعیین بے حد ضروری تھی کہ کس مواد کو مقالہ میں زیرِ بحث لانا ہے اور کس کو میلادیہ ادب کی ذیل میں شمار نہیں کرنا مگر صدیقی صاحب نے ایسا کرنے کی بالکل کوشش نہیں کی۔

پہلے باب میں تحقیق کے حوالے سے قابلِ ستائش حصہ صرف وہ ہے جس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تاریخِ ولادت کے اختلاف پر بحث کی گئی ہے اور یہ کلّی طور پر راقم کے مقالہ ''یومِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' سے سرقہ کیا گیا ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

باب دوم

دوسرے باب کا عنوان ''محرکات و ماخذ: عربی، فارسی پس منظر ہے۔'' اس میں شروع میں میلاد کے محرکات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد میلاد ناموں کے ماخذ کے زیرِ عنوان پہلا ماخذ قرآنِ مجید بتایا گیا ہے۔ لیکن اس پر ایک ہی عنوان کے تحت بحث کرنے کے بجائے ''قرآنِ مجید میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فضائل و مناقب سے متعلقہ مقامات'' کے ۲۳ ذیلی عنوانات قائم کیے گئے۔ اس کے بعد راقم الحروف کے مقالہ مطبوعہ ضیائے حرم سے سرقہ کر کے ''الہامی صحائف اور مذہبی کتب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت'' کے تحت ۲۳ ذیلی عنوانات کے تحت موضوع سے ہٹ کر طویل مباحث نقل کیے گئے۔ اس کے بعد عربی نعتیہ شاعری سے جو اشعار نقل کیے گئے ان میں سے اکثر محض نعتیہ اشعار ہیں لیکن مقالہ نگار نے ان کے ساتھ لفظ ''میلادیہ'' لکھ کر انہیں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پر مشتمل شاعری گردانا ہے۔ پھر فارسی نعتیہ شاعری کے نمونے دیے گئے لیکن یہاں بھی مختلف شعرا کا میلادیہ کلام نقل کرنے کی کوئی قدغن نہیں تھی۔ جو نعتیہ اشعار ملے، نقل کر دیے۔

اس باب میں مقالہ نگار نے مولود ناموں کے جو ماخذ و مراجع بتائے ہیں، کسی مولود نگار نے ان کو مدِنظر رکھ کر مولود نامہ رقم نہیں کیا۔ ہر مولود نگار نے دو یا تین کتب پر انحصار کیا ہے۔ درحقیقت اس باب میں مولود ناموں کے جو ماخذ بتائے گئے ہیں، وہ سیرت کے مراجع تو ہو سکتے ہیں، مولود ناموں کے نہیں۔ راقم الحروف کے مطالعہ کا ماحصل یہ ہے کہ آج کل تو سیرت نگاری کے لیے بھی فقط

چند کتب پر انحصار کیا جاتا ہے اور بغیر چھان پھٹک کے روایات نقل کر دی جاتی ہیں۔ کتنے سیرت نگار ایسے ہیں جو سیرتِ مبارکہ کے ہر پہلو سے متعلق قرآنی آیات تلاش کرتے ہیں۔ پھر تفاسیر کا، مطالعہ کر کے صحاح ستّہ یا دیگر کتبِ احادیث سے اس موضوع پر احادیث جمع کرتے ہیں اور ان کی ثقاہت کا جائزہ لیتے ہیں۔ اسکے بعد کتبِ سیَر و مغازی کی ورق گردانی کرتے ہیں اور دورِ اول میں لکھی گئی کتبِ تاریخ سے ایسے مقامات تلاش کر کے اصل واقعہ کی تہہ تک پہنچے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس باب میں صدیقی صاحب نے ڈاکٹر انور محمود خالد اور ڈاکٹر ریاض مجید کے بیان کردہ ''ماخذِ سیرت'' اور ''ماخذِ نعت'' کو یکجا کر دیا ہے۔ اور ان کا مجموعہ ان کے نزدیک ''ماخذِ موالید'' بن گیا ہے۔

باب سوم

اس باب میں جنوبی ہند میں میلادناموں کے آغاز وارتقا کا جائزہ لیا گیا ہے، آغاز میں دکنی دور کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد ''میلادنامے اور لاحقہ ''نامہ'' سے بنائی جانے والی دیگر اصناف کا اجمالی جائزہ دیا گیا ہے۔ جب اس سے قبل مولودنامے اور دیگر ایسی اصناف کا ذکر پہلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ تو پھر یہاں اس موضوع میں پر کچھ شامل کرنا فقط مقالہ کی ضخامت میں اضافہ کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ اس باب میں جن اہلِ قلم کو بطور مولود نگار متعارف کروایا گیا ہے، ان میں بیشتر نے کوئی مولودنامہ نہیں لکھا بلکہ بعض نے تو میلادیہ

کلام بھی نہیں کہا۔ کل ۵۴ اہلِ قلم کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے عبدالرسول، عبداللطیف، عالم گجراتی، غریب اللہ، افصحی پانچوں کے تحریر کردہ ''وفات نامہ'' علی بخش دریا اور غلام اعزاز الدین نامی کی مثنوی وفات نامہ، امامی دکنی کے ''وفات نامۂ سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)'' میر کے ''وفات نامۂ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)'' اور سوز کے وفات نامۂ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ذکر کیا گیا ہے۔ میلادنامہ اور وفات نامہ دونوں متضاد اصناف ہیں۔ ایک میں حضور سیدِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف آوری کا ذکر ہوتا ہے تو دوسرے میں اس جہانِ فانی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف لے جانے کا تذکرہ۔ جہاں میلادنامے میں فرحت و انبساط کا اظہار ہوتا ہے وہاں وفات نامے کا طرزِ بیان بڑا غم انگیز ہوتا ہے۔ شاید ڈاکٹر صدیقی ولادت و وفات، آمد و برخاست اور مسرت و غم کے مابین امتیاز بھی نہیں کر سکے۔ کیا انہیں ولادتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر منائی جانے والی خوشیاں اور وصال النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے غم سے نڈھال ہونے، حضور نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کی مرثیہ گوئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جیسی ہستی کا شدتِ غم سے اپنے حواس برقرار نہ رکھ سکنے کا علم نہیں ہے؟ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ اعلیٰ ترین ڈگری لینے کے متمنی ''محقق'' نے بلا سوچے سمجھے جو کچھ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق

پایا، اپنے مقالہ میں ''مولود نامے'' کے نام سے نقل کر دیا۔ اسی باب میں مولانا صدیقی نے کئی اور ''ناموں'' کو بھی مولود نامے سمجھ کر ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سید بلاقی حیدر آبادی، شیخ احمد گجراتی، شریف اور عنایت شاہ قادری کے نور نامے، سید بلاقی حیدر آبادی، محمد مختار، کمتر، محمد حسین معظم قادری بیجاپوری، اعظم دکنی، مخدوم حسینی، محمد بن مجتبیٰ مہدوی، شاہ ابوالحسن قربی اور شاہ کمال الدین کے معراج ناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ طالب دکنی کا فاتحہ نامہ معجزہ ماہی بھی صدیقی صاحب کے نزدیک مولود نامہ میں شمار ہوں گے۔ سید میراں شاہ ہاشمی بیجاپوری کا مثنوی یُوسُف وزلیخا کا منظوم اردو ترجمہ اسی ذیل میں آئے گا۔ صاحبان عثمان کی ''شمائلِ نبوی'' صلی اللہ علیہ وسلم اور عبدالحمد ترین کی ''شمائل النبی'' صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مولود نامے'' سمجھنا پڑے گا حتیٰ کہ غلام محمود حسرت کی منظوم سیرت ریاض السیئر بھی صدیقی صاحب کے مطابق مولود نامہ ہی ٹھہرے گی۔

بالفرض کسی وفات نامے یا معراج نامے وغیرہ میں ایک آدھ صفحے پر مولود مبارک کا ذکر ملتا ہو، تو محقق کا کام یہ ہے کہ وہ اس حصے کی نشان دہی کرے۔ لیکن یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ کتاب پڑھے۔ اگر نقل ہی کے بل پر ''تحقیق'' پیش نظر ہو تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور زیرِ نظر ''مقالے'' میں یہی ہوا ہے۔

باب چہارم

ڈاکٹر صدیقی صاحب نے چوتھے باب میں شمالی ہند میں میلاد ناموں کی

روایت کا جائزہ لیا ہے۔ شروع میں سیاسی اور تہذیبی پس منظر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ۵۲ قلمکاروں کی منظوم و منثور تصانیف کا تعارف دیا گیا ہے۔ اس باب میں بھی چند میلادناموں کے ساتھ نورناموں، وفات ناموں، معراج ناموں کے علاوہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دردنامہ، محشر نامہ، دیدار نامہ اور شفاعت نامہ سب کچھ مولود نامے بنا کر پیش کیے گئے ہیں۔ ''نور نامہ'' کے نام سے فقیر، مراد نابینا اور محمد حامد کی تحریروں کا ذکر ہے۔ حافظ عزیز احمد، مکرم علی، نصرت علی، محمد حسن علی اور حافظ پشاوری کے وفات ناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ محبوب عالم کا ''دردنامہ'' ''محشر نامہ'' اور ''مسائل ہندی'' مولوی محمد حیات کی منظوم سیرت'' احوال النبی'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علاوہ نور الہدایہ، شفاعت نامہ، دیدار نامہ اور شرف الایمان مع نور الاسلام کو بھی مولود ناموں پر تحقیق میں شامل کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ معراج و معجزات سے متعلق مواد کو بھی میلاد ناموں سے علیحدہ نہیں سمجھا گیا۔ میر قدرت اللہ خاں قاسم کا معراج نامہ ''زبدة الاخبار'' میر مظفر حسین ضمیر کی ''ریحان معراج'' سید اسمٰعیل حسین منیر کا ''رسالہ المعراج'' فیضان شاہ کا ''ریحان معراج'' حافظ پشاوری کا ''معراج نامہ'' اور مولوی جان محمد لاہوری کی ''معراج النبی'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا شمار بھی شمالی ہند کے میلادیہ ادب میں کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ امام بخش عاصی کی ''معجزۂ رسولِ مقبول'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الطاف کی ''معجزاتِ حضرت سرورِ کائنات'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، مولوی سید احمد مشتاق کی ''تحفۂ احمدیہ در

خصائصِ محمدیہ" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عبدالمجید قادری کی محافل انوار فی احوالِ سید الابرار" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تعارف کرانا بھی ضروری سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ ان کو مولود نامہ قرار دینا درست نہیں۔ اگر کسی شعر، نظم یا پیرے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کا ذکر ہو تو وہ تصنیف میلادیہ ہرگز نہیں ہو جاتی۔

باب پنجم

پانچویں باب میں مقالہ نگار نے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ تک لکھے گئے میلاد ناموں کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی ان کی فراخ دلی نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کی حیاتِ طیبہ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں لکھی گئی کسی بھی صنف یا تحریر کو میلاد ناموں کے زُمرے میں شامل کیا ہے۔ اس باب کے پہلے ہی "مولود نگار" شیخ جان محمد نے "وفات نامہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہے۔ اس کے علاوہ شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق چند تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً مولانا کرامت علی جون پوری کی انوارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم (شمائلِ ترمذی کا اردو ترجمہ)، محمد مہدی واصف کی "توصیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم"، مولوی عبدالحفیظ کاکوروی کی "فضائلِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات پر مشتمل جن کتب کو میلاد نامے سمجھا گیا، ان میں لطافت حسین کی "فضائل و معجزاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم"، کریم بخش بدر کی مثنوی "بدر الدجیٰ"، تجمل رسول خان کی "پنج اعجاز"، محمد غلام اکبر

خان کی "برہان الاعجاز" میر مظفر علی اسیر کی "چراغ اعجاز" شیخ لعل کی "حافظ الاسلام" (نظم ونثر میں معجزات) شامل ہیں۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر لکھی گئی کتب میں محمد ناصر علی غیاث پوری کی "ناصر العاشقین" اور غلام محمد کا منظوم "معراج نامہ" عزیز الرحمٰن عرشی غازی پوری کی "قندیلِ عرش" بھی مقالہ نگار کے نزدیک میلاد نامے ہی سمجھے گئے۔ اس کے علاوہ علی انور شاہ کا "نور نامہ" احمد حسین خان مائل کا "نور ظہور" خواجہ شمس الدین کا "نور نامہ کلاں" کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ محمد عبدالرزاق راسخ کی مثنوی "سراپائے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کو بھی مولود نامہ ہی قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ مفتی عنایت احمد کاکوروی کی "تواریخِ حبیبِ الٰہ" صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف دیا گیا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر انور محمود خالد کے مطابق نقادوں اور عالموں کی بے اعتنائی کے باوجود یہ کتاب سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر لکھی گئی کتابوں میں ایک اہم ذخیرہ ہیں۔ ان کے درج کردہ دونوں اقتباسات صدیقی صاحب نے نقل کئے ہیں جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اصل کتاب نہیں دیکھی اور انہوں نے ڈاکٹر انور محمود خالد ہی کے مقالہ سے سرقہ کیا لیکن تعجب کی بات ہے کہ جس کتاب کو ڈاکٹر انور محمود خالد نے روایتی کتبِ سیرت میں شامل کیا ہے، صدیقی صاحب کے نزدیک حضور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میلاد پر مشتمل ہے۔ اسی طرح مولانا نقی علی خاں بریلوی کی تصنیف "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میلاد نامہ قرار دیا گیا حالانکہ صفحہ ۵۱۲ پر خود ہی مقالہ نگار کے مطابق اس

میں وحیٔ اول کا نزول، ہجرتِ حبشہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا قبولِ اسلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ طائف، ہجرتِ مدینہ، وصالِ مبارکہ، فضائل وشمائلِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، معجزات، درود شریف کے فضائل اور بیانِ فرائضِ نماز وغیرہ کے عنوانات ہیں۔ انہوں نے اس سیرتِ طیبہ کی کتاب کے ذکر میں ''میلاد و معراج'' کے الفاظ لکھ کر اسے مولود نامہ بنا دیا۔

باب ششم

یہ باب ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان لکھے گئے میلاد ناموں کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے اس باب میں ۵۷ قلمکاروں کا ذکر کیا ہے۔ جو اُن کے نزدیک مولود نگار ہیں۔ اس باب میں بھی انہوں نے ہر طرح کی کتبِ سیرت و نعت کو میلاد ناموں میں شامل کر لیا ہے۔ انہوں نے کئی معراج ناموں کا تعارف کرایا ہے۔ محمد دولت خان کی تصنیف ''معراجِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) موسومہ بہ دولتِ عقبیٰ''، حاجی رحیم بخش کی ''تحفہ معراج شریف''، قاضی قلندر علی کی ''سیّاحِ لامکان'' علامہ نور بخش توکلی کی ''معراج النبی'' صلی اللہ علیہ وسلم، حاجی قمر الدین بن نظام الدین کا ''معراج نامہ مع سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (منظوم)'' معشوق علی خان کی ''ذکرِ معراجِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم''، تصوف حسین واصف اکبر آبادی اور صوفی اسلام اللہ اکبر آبادی کا ''معراج نامہ''، منشی سجاد حسین اکبر آبادی کی ''معراج النبی'' صلی اللہ علیہ وسلم، خواجہ محبوب عالم کی ''شبِ حسین برعرشِ بریں المعروف اسراءِ جمیل الی رب الجلیل'' اور مولوی حفظ اللہ کی مثنوی

جس میں معراج کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، پر تفصیلاً گفتگو کی گئی ہے لیکن ان کا ذکر مقالے کے عنوان سے غیر متعلق ہے۔ معراج نامہ ایک الگ صنف ہے اور اس پر اگر نظم ونثر سے مواد کا ذکر یکجا کیا جائے تو آسانی سے صدیقی صاحب سے زیادہ ضخیم مقالہ بن سکتا ہے۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ صدیقی صاحب نے اس باب میں بھی حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل وشمائل پر لکھی گئی تصانیف کو بھی مولود ناسے ہی سمجھ لیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے صمصام الدین محمد کی الضیاح الانوار فی بیانِ خصائص سید الابرار'' صلی اللہ علیہ وسلم حافظ محمد امین کی ''جذب الاصفیا الی فضائل المصطفیٰ''، صلی اللہ علیہ وسلم، مفتی محمد خلیل کی ''فضائل النبی الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' (منظوم) کا ذکر کیا ہے۔ مشتاق احمد حسنی کا ''مرقعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم''، عبدالرؤف شوق کی مثنوی ''مرقعِ رحمت''، محمد عبدالغفار بلیغ کی مثنوی ''انوارِ رحمت'' بھی صدیقی صاحب کے نزدیک میلادیہ تحریریں ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا عبدالحلیم شرر کی ''سوانحِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم'' کو مولود نامہ مان لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ۵۲۴ صفحات کی کتاب ہے۔ لیکن صدیقی صاحب اسے ''میلاد و سیرت'' قرار دیتے ہیں۔ وہ خود پہلے باب میں ''میلاد و سیرت'' کے عنوان سے ان میں حدِ فاصل کھینچ چکے ہیں۔ یہاں اس قدر تفصیل سے لکھی گئی سیرت کی کتاب کو کس طرح وہ ''مولود نامہ'' سمجھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مولوی محمد کریم بخش کی ''ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کا تعارف کرایا گیا

ہے جو ۲۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کتب کو "مولود نامے" سمجھ لینے کا سبب اس موضوع کے دائرہ کار کی عدم تعیین ہے۔ اگر ایک محقق اپنی تحقیق کی حدود متعین نہیں کرتا تو اسی طرح ٹھوکریں کھاتا ہے۔

اس باب میں صدیقی صاحب نے بیدؔم وارثی کا بھی ذکر کیا ہے، حالانکہ انھوں نے مولود نامہ لکھا ہے، نہ کوئی میلادیہ نعت۔ ان کا ذکر صرف اس لیے کیا گیا کہ ان کی نعتیں (جو میلادیہ نہیں) محفل میلاد میں پڑھی جاتی ہیں۔

باب ہفتم

یہ باب عصرِ حاضر کے میلاد ناموں پر مشتمل ہے جو ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۵ء کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ اس میں ۴۵ شعرا و ادبا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں مفتی محمد شفیع کی آداب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی مولود نامہ کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے حالانکہ یہ امام غزالی علیہ الرحمہ کی تصنیف احیاء العلوم کے ایک حصے کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عادات، معمولات، شمائل و خصائل اور حلیۂ مبارک کا بیان ہے۔ اس باب میں عزیز الدین احمد قادری کی "آئینۂ خُلقِ محمدی" صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا ہے جس کے عنوانات کی تفصیل صدیقی صاحب نے صفحہ ۶۹۳ پر یوں دی ہے۔

"توحید، رسالت اور خلافت، بعثتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ..... حجۃ الوداع، مرض الموت، رحلتِ رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) حلیۂ مبارک، زر و دولت کا بہترین مصرف، شجاعتِ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور (صلی اللہ علیہ

وسلم) کی عادات و طاعت، عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زکوٰۃ کے حقدار، احوالِ حضرت نظام الدین اولیاؒ، مذہب کی ضرورت اور کیوں وجود میں آیا؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شغفِ عبادت اور دعائیں، احادیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت، حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تجارتی تعلیم، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کھانے میں سادگی اور صفائی کا معیار، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اخلاقی رعنائی، فیاضانہ زندگی اور بلند خیالی، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تنظیم اور اخوتِ اسلامی، الوداعی سلام، لمحۂ فکریہ از مصنف اور خاتمۂ کتاب و دعا۔"

اس کتاب کو مولود نامہ سمجھ لینا محققِ محترم کی اپنے موضوع سے سطحی وابستگی کا بیّن ثبوت ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ان کے نزدیک اب "مولود نامہ" کا دائرہ اور وسیع ہو گیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق مولانا کوثر نیازی نے "ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے میلاد نامہ لکھا۔ حالانکہ یہ ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جن میں سے ایک مضمون میلاد کے جواز میں ہے۔ یہ مولود نامہ ہرگز نہیں۔ سید محمود احمد رضوی کی تصنیف "خصائصِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کو بھی میلاد ناموں میں شامل کیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔ اسی طرح خلیق احمد کا منظوم "وفات نامہ" بھی مولانا صدیقی صاحب کے نزدیک "مولود نامہ" ہی ہے۔ کیونکہ اسے بھی انہوں نے عصرِ حاضر کے میلاد ناموں میں شامل کیا ہے۔

باب ہشتم

باب ہشتم کا عنوان "متفرقات" ہے اور اس میں خواتین کے میلاد نامے، نامعلوم مصنفین کے میلاد نامے، غیر مسلم شعرا کی میلادیہ منظومات اور دنیائے اسلام میں جشن ہائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد کو شامل کیا گیا ہے۔ خواتین کے میلاد ناموں کے ذکر میں مقالہ نگار نے ۱۱ خواتین کی میلاد نگاری تک ہی خود کو محدود رکھا ہے۔

"نامعلوم مصنفین کے میلاد نامے اور منظومات" کے زیرِ عنوان مقالہ نگار نے دو وفات ناموں، تین معراج ناموں، ایک نور نامہ، ایک رسالہ معجزاتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)، ایک مجموعہ مولود شریف اور وعظ شریف، اور ایک میلادِ سعدی کا ذکر کیا ہے۔ یعنی ان میں سے صرف آخر الذکر دو تصانیف کا تذکرہ ہوسکتا تھا۔ میلادِ سعدی یقیناً کسی سعدی نامی شخص کا لکھا ہوا ہے۔ یہ سعدی کون تھا؟ کس عہد میں ہو گزرا ہے؟ اس کا پتا چلانا مقالہ نگار کا کام تھا۔ نامعلوم کو معلوم کرنا ہی تو تحقیق ہے۔ اگر ایسا کرنا انسان کے بس میں نہ ہو تو اس کا اس کام سے دور ہی رہنا بہتر ہے۔

متفرقات میں تیسرا عنوان "غیر مسلم شعرا کی میلادیہ منظومات" ہے۔ جو دراصل راجا رشید محمود مدیر ماہنامہ "نعت" کی تحقیق سے نقل کی گئی ہے۔ جنہوں نے ماہنامہ "نعت" کے خاص نمبر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ چہارم) میں ایک طویل تحقیقی مقالہ "نعت میں ذکرِ میلادِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" شائع کیا تھا۔ اس کے ۱۷ ذیلی عنوانات میں سے آخری عنوان "میلاد غیر مسلموں کی

نظر میں" تھا۔ اس حصہ کو صدیقی صاحب نے نقل کر دیا۔ تاہم انہوں نے حوالے دیانتداری سے دیئے۔ سب سے پہلے راجا صاحب نے جگن ناتھ کمال کرتار پوری کے کلام سے چھ میلادیہ اشعار نقل کیے تھے۔ صدیقی صاحب نے چار مسدس نقل کر دیئے۔ اس کے لیے بھی انہیں نہ تحقیق کرنے کی ضرورت تھی اور نہ وہ ایسا مزاج رکھتے ہیں۔ ماہنامہ نعت کے "غیر مسلموں کی نعت" نمبر حصہ اول پر یہ پوری نعت موجود تھی انہوں نے نقل کر دی لیکن حوالہ راجا صاحب والا ہی نقل کر دیا۔ ماہنامہ "نعت" کا حوالہ دینا گوارا نہیں کیا۔ اس کے بعد جگن ناتھ کمال ہی کی ۹ اشعار پر مشتمل نعت دی ہے۔ راجا صاحب نے اس کے صرف ۴ چار اشعار، اپنے مضمون میں منتخب کیے تھے۔ اس کے بعد راجا صاحب کے ہی مضمون سے انہوں نے سردار بشن سنگھ بیکل کا ایک شعر، چمن داس چمن کی ایک مخمس، کالی داس گپتا، نوبت رائے شوخ۔ پنڈت جگن ناتھ آزاد، سرکشن پرشاد شاد، شیام سندر باصر کاشمیری، چاند بہاری لال صبا کا ایک ایک شعر دیا ہے۔ لیکن یہاں انہوں نے حوالے ماہنامہ "نعت" ہی کے دیے ہیں۔

اس کے بعد چرن سرن ناز مانک پوری کے دو میلادیہ اشعار ہیں جو راجا صاحب نے اسی ترتیب سے اپنے مقالہ میں شامل کیے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے جگن ناتھ آزاد کے پانچ اشعار دیئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مقالہ کی ضخامت بڑھانے کے لیے جگن ناتھ آزاد، رانا بھگوان داس بھگوان، لالہ رام سروپ شیدا اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے لکھے ہوئے سلام پر مشتمل اشعار کو

بلاوجہ نقل کر دیا ہے۔

اس کے بعد دنیائے اسلام میں جشن ہائے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ جو ان کا راقم الحروف اور راجا رشید محمود کے مضامین پر ڈکیتی کا نتیجہ ہے۔

حواشی:

1- انور محمود خالد' ڈاکٹر۔ اردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ۔ اقبال اکادمی لاہور۔ ۱۹۸۹۔ ص ۳۰۱
(ڈاکٹر انور محمود خالد نے ''اشاریہ'' میں ڈاکٹر قاضی شہاب الدین اور ان کے مقالہ ''اردو میں میلاد نامے'' کو شامل کیوں نہیں کیا۔ اس میں کیا مصلحت تھی؟ فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم اصل مقالہ پڑھ کر بہتر انداز میں تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔)

2- روزنامہ ''خبریں'' لاہور۔ ۴ ستمبر ۱۹۹۷ء (کالم نگار انور سدید' ''گفت نی'' بعنوان ''پی ایچ ڈی کی شان میں ایک تقریب'') ص ۱۰

3- محمد نسیم عثمانی' پروفیسر ڈاکٹر۔ اردو میں تفسیری ادب۔ ایک تاریخی اور تجزیاتی جائزہ۔ عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ کراچی' ۱۹۹۴ء۔ ص ۱۲

4- ریاض مجید' ڈاکٹر۔ اردو میں نعت گوئی۔ اقبال اکادمی پاکستان لاہور' ۱۹۹۰۔ حرف اول۔ ص ''ن''

ملاحظہ ہو۔ محمد حاجن' پروفیسر ڈاکٹر شیخ' لائف اینڈ ورکس آف عبید اللہ سندھی (انگریزی مقالہ) سندھ یونیورسٹی' ۱۹۷۵ء

5- منیر احمد مغل' ڈاکٹر۔ تفسیر المقام المحمود...... تنقیح' توضیح' تشریح۔ جلد اول۔ مکتبہ رشیدیہ

لاہور۔ جولائی ۱۹۸۳' ص ۳

6- ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔ جلد ۱۳' شمارہ ۳ (مارچ ۲۰۰۰ء) ص ۱۴

7- روزنامہ ''خبریں'' لاہور۔ ۴ ستمبر ۱۹۹۷ء

8- صدیقی' ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید۔ اردو میں میلاد النبی ﷺ۔ ص ۲۳

9- ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔ خاص شمارہ بعنوان ''میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حصہ اول۔ جلد ۱' شمارہ ۱۰ (اکتوبر ۱۹۸۸) ص ۹۔۳۱

10- محمد سلطان شاہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش۔ مرکزی مجلس امام اعظم لاہور۔ ۱۹۹۱ء۔ ایک شیعہ سیرت نگار نے بھی ماہنامہ ''نعت'' کے حوالے سے ''جناب سید محمد سلطان شاہ مسلکِ اہلِ سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں'' کے الفاظ لکھنے کے بعد ماہنامہ ''نعت'' سے پورا مضمون نقل کر دیا ہے۔

11- محمد سلطان شاہ' سید۔ یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ۔ وطن پبلشرز لاہور۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء

12- محمد کرم شاہ' پیر۔ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جلد دوم۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ۔ ص ۳۸۔۴۰ بحوالہ ضیائے حرم۔ میلاد النبی ﷺ نمبر۔ یہاں اس کا ذکر کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ جب ڈاکٹر محمد طفیل نے قبلہ پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ کی کتاب ''ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی پہلی تین جلدوں پر تبصرہ کیا تو انہوں نے خاص طور پر یومِ ولادت سرکار ﷺ کے تاریخی اختلاف کا ذکر کیا جو اس کتاب میں راقم الحروف کی تحقیق کی بنیاد پر شامل کیا گیا ہے' جس کا اظہار برملا قبلہ پیر صاحب نے ایک ملاقات میں کیا تھا (سہ ماہی فکر و نظر۔ جلد ۳۱' شمارہ ۴۔ اپریل۔ جون ۱۹۹۴ء) ص ۱۲۸۔۱۲۹)

13- ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور۔ عید میلاد النبی ﷺ نمبر۔ نومبر دسمبر ۱۹۸۹ء۔ ص ۷۷' ۱۷۸۔
محمد سلطان شاہ' سید۔ یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ۔ ص ۱۷۔۱۹

14- ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور۔ عید میلاد النبی ﷺ نمبر۔ ص ۷۹

15-ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔ خاص نمبر بعنوان میلادالنبی ﷺ۔ دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۲' ۱۳

16-ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور۔ عید میلادالنبی ﷺ نمبر۔ ص ۱۷۹' ۱۸۰

14-ایضاً۔ ص ۱۸۰' ۱۸۱

15-ایضاً۔ ص ۱۸۱

16-ایضاً۔ ص ۱۸۱

17-ایضاً۔ ص ۱۸۱' ۱۸۲

18-ایضاً۔ ص ۱۸۲

19-ایضاً۔ ۱۸۴۔ ۱۹۲

20-ایضاً۔ ص ۱۸۳

21-ایضاً۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴

22-ایضاً۔ ۱۷۶' ۱۷۷

23-ضیائے حرم (ماہنامہ) لاہور۔ عید میلادالنبی ﷺ نمبر (نومبر دسمبر ۱۹۸۹) ص ۶۴

24-ایضاً۔ ص ۶۴' ۶۵

25-ایضاً۔ ص ۶۵

26-ایضاً۔ ص ۷۵

27-ایضاً۔ ص ۶۸' ۶۹

28-ایضاً۔ ص ۷۲

29-ایضاً۔ ص ۷۶

30-ایضاً۔ ص ۷۸

31-ملاحظہ ہو ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔ جلد اول' شمارہ ۱۱ (نومبر ۱۹۸۸ء)
(مضمون محافلِ میلاد از راجا رشید محمود۔ ص ۳۹۔ ۶۴)

32-خالد' ڈاکٹر انور محمود۔ اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ۔ اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ ۱۹۸۹ء

33-ایضاً۔

34-صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری کا مضمون ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے نومبر ۱۹۸۸ء کے شمارے بعنوان ''میلادالنبی ﷺ (حصہ دوم) میں صفحہ ۱۵ تا ۳۱ پر ملاحظہ ہو جو راجا رشید محمود کی مرتب کردہ کتاب میلادالنبی ﷺ نمبر میں بھی شامل ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور کے میلادالنبی ﷺ نمبر میں نومبر ۱۹۸۹ء میں صفحہ ۴۱۶ تا ۴۲۶ پر دوبارہ چھپا اور گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے مجلّہ ''اوج'' کے نعت نمبر حصہ دوم میں بھی طبع ہوا ہے۔

35-ریاض مجید' ڈاکٹر۔ اُردو میں نعت گوئی۔ اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور ص ۷۳

36-ایضاً۔ ص ۷۸

37-خالد' ڈاکٹر انور محمود۔ اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ۔ ص ۴۳

38-ریاض مجید' ڈاکٹر۔ اُردو میں نعت گوئی۔ ص ۹۳

39-محمد ایوب قادری' ڈاکٹر۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ (شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء تک) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔ ۱۹۸۸ء۔ ص ۵۵۶' ۵۵۷

40-ایضاً۔ ص ۵۵۸

41-صدیقی' ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید۔ اُردو میں میلادالنبی ﷺ۔ ص ۳۸۰/ قادری' ڈاکٹر محمد ایوب۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ۔ ص ۴۵۹

42-خالد' ڈاکٹر انور محمود۔ اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ۔ ص ۲۶۵

43-ایضاً۔ ص ۲۶۹' ۲۷۰

44-ایضاً۔ ص ۲۷۱

45-ایضاً۔ ۲۷۱' ۲۷۲

46-ایضاً۔ص۲۷۰

47-ریاض مجید'ڈاکٹر۔اُردو میں نعت گوئی۔ص۳۳۲

48-ایضاً۔ص۳۳۴

49-اشفاق'ڈاکٹر سید رفیع الدین'اُردو میں نعتیہ شاعری'اُردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۷۶ء۔ص ۲۵۷

50-اشفاق'ڈاکٹر رفیع الدین۔اُردو میں نعتیہ شاعری۔ص۲۵۸

51-ریاض مجید'ڈاکٹر۔اُردو میں نعت گوئی۔ص۳۳۵

52-اشفاق'ڈاکٹر رفیع الدین۔اُردو میں نعتیہ شاعری۔ص۲۶۳

53-ریاض مجید'ڈاکٹر۔اُردو میں نعت گوئی۔ص۳۳۹'۳۴۰

54-ریاض مجید'ڈاکٹر۔اُردو میں نعت گوئی۔ص۳۴۹

55-ایضاً۔ص٦٥٠

56-اشفاق'ڈاکٹر سید رفیع الدین۔اُردو میں نعتیہ شاعری۔ص۳۰۸

57-ریاض مجید'ڈاکٹر۔اُردو میں نعت گوئی۔ص۳۵۱

58-ریاض مجید'ڈاکٹر۔اُردو میں نعت گوئی۔ص۳۵۰

59-ایضاً۔ص۳۵۵'۳۵۶

60-رشید محمود'راجا (مرتب) قلزمِ رحمت۔امیرؔ مینائی لکھنوی کی نعتوں کا انتخاب۔مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۸۷

61-صدیقی'اُردو میں میلادالنبی ﷺ۔ص۴۹۵'۴۹۶/ خالد'اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ ص۳۱۴'۳۱۵

62-خالد'ڈاکٹر انور محمود۔اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ۔ص۳۱۵

63-ماہنامہ ''ضیائے حرم' لاہور۔عیدِ میلادالنبی ﷺ نمبر۔۱۹۸۹ء۔ص۲۷۹

64-ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔خاص نمبر بعنوان میلادالنبی ﷺ (حصہ اول) اکتوبر ۱۹۸۸'ص ۱۰۳

65-ماہنامہ ''ضیائے حرم' لاہور۔میلادالنبی ﷺ نمبر۔ص۲۸۰

66-ایضاً۔ص۲۸۷۔۲۹۱

67-ایضاً۔ص۲۸۳

68-ایضاً۔ص۲۸۱

69-ایضاً۔ص۲۶۰'۲۶۱

70-ایضاً۔ص۲۸۲

71-ایضاً۔ص۲۸۲'۲۸۳

72-ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔میلادالنبی ﷺ (حصہ دوم)۔نومبر ۱۹۸۸ء'ص۴۹

73-ایضاً۔ص۵۳'۵۴

74-ماہنامہ ''ضیائے حرم' لاہور۔میلادالنبی ﷺ نمبر۔ص۲۸۳'۲۸۴

75-ایضاً۔ص۲۸۴'۲۸۵

76-ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔میلادالنبی ﷺ (حصہ دوم) ص۵۶'۵۷

77-ایضاً۔ص۵۹'۶۰

78-ماہنامہ ''ضیائے حرم' لاہور۔میلادالنبی ﷺ نمبر۔ص۳۰۸۔۳۱۸

79-ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔میلادالنبی ﷺ (حصہ دوم) ص۶۰

80-خالد'ڈاکٹر انور محمود۔اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ۔ص۲۳۲

81-ایضاً۔ص۲۳۲'۲۳۳

82-رؤف پاریکھ'ڈاکٹر۔مقتدرہ کی املا کمیٹی کی سفارشات۔اخبارِ اُردو (ماہنامہ) اسلام آباد۔ جل۱۶'شمارہ۳ (مارچ ۲۰۰۰) ص۱۲

3 ٤-صدیقی۔اُردو میں میلادالنبی ﷺ۔ص۱۶۲

ا 8-ایضاً۔ص۱۴۸،۹،۱۰

85-ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔جلد۳' شمارہ۳ (مارچ ۱۹۹۰ء) درود وسلام (حصہ چہارم)

86-ایضاً۔ص۲۹

87-ایضاً۔ص۳۵

88-احمد رضا خاں بریلوی، اعلیٰحضرت۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ۔ ۴:۵۴ ۔سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ،لائل پور، ۱۹۷۴ء

89-محمد شفیع، مفتی۔معارف القرآن۔جلد ہفتم ص۲۲۵

90-رشید محمود، راجا۔اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔جلد دوم ص۴۱

91-صدیقی، اُردو میں میلادالنبی ﷺ۔ص۴۷

92-ایضاً۔ص۴۷

93-ایضاً۔ص۴۹۵

94-ایضاً۔ص۵۵۷،۵۵۶

-95Muhammad Iqbal, The Development of Mataphysis in Persia, Bazm-i-Iqbal Lahore, Third Edition/Reprint 1964. Messers. Luzac & Company London.

96-محمد مظفر عالم جاوید صدیقی، ڈاکٹر۔اُردو میں میلادالنبی (ﷺ) ص۱۷۱،۱۷۲

97-ریاض مجید، ڈاکٹر۔اُردو میں نعت گوئی۔ص۹۹۔۱۰۱

98-صدیقی، اُردو میں میلادالنبی ﷺ۔ص۱۸۴

99-ایضاً۔ص۱۸

100-ایضاً۔ص۸۱۹

101-عبدالحق، ڈاکٹر مولوی۔قواعدِ اُردو۔لاہور اکیڈمی لاہور۔ص۳۲۱

حصہ دوم

ادبی، علمی اور مذہبی دُنیا میں سرقہ کا ارتکاب

۱۔ تصنیف وتالیف کا سبب
۲۔ سرقہ، تصرف اور ڈاکا
۳۔ پلاگیارزم
۴۔ حضرت علی ہجویری علیہ الرحمہ کے دیوان کی چوری
۵۔ ابنِ ندیم کی سرقات کی سراغ رسانی
۶۔ لطفؔ بریلوی کے دیوان پر فداؔ کا ڈاکا
۷۔ چور کون؟ بسملؔ رامپوری یا تسخیرؔ بدایونی
۸۔ شاعر ہی چوری ہو گیا
۹۔ محشرؔ رسول نگری اور آفتابؔ نقوی کی توام شاعری
۱۰۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی منہاج الدین کا سرقہ
۱۱۔ انوارِ قطبِ مدینہ، ضیائے مدینہ کے روپ میں
۱۲۔ تحقیق میں سرقہ
۱۳۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی پر سرقہ نگاری کے تازہ الزامات
۱۴۔ اہل علم وتقویٰ سے منسوب جعلی کلام وکتب
۱۵۔ ابنِ ندیم اور جعل سازی کی تحقیق
۱۶۔ فتنہ وضعِ احادیث
۱۷۔ مغربی دنیا کی جعل سازیاں
۱۸۔ ممتاز لیاقت کی ''بکف چراغ دارد''

۱۹۔ سید وقار عظیم کا سرقہ

۲۰۔ دوسری زبانوں سے مقالات یا تحریریں ترجمہ کر کے طبع زاد بنا لینا

۲۱۔ مجلّہ ''اوج'' کے نعت نمبروں پر ماہنامہ نعت کا ظل

۲۲۔ حضرت تھانوی کی مرزا قادیانی کی کتب سے خوشہ چینی

۲۳۔ ایم ڈی فاروق کا حیاتِ محمد ﷺ سے سرقہ

۲۴۔ راقم کے مقالات پر بے باکانہ ڈاکا

۲۵۔ ادارتی نوٹ

تصنیف و تالیف کا سبب

حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''کشف المحجوب'' کے آغاز میں تحریر فرمایا ہے کہ جمع' تالیف اور تصنیف سے مراد یہی ہوتی ہے کہ مصنف کا نام زندہ رہے۔ پڑھنے والے اور علم کا ذوق رکھنے والے اسے دعائے خیر سے یاد کریں۔(۱) ہر شخص کی فطری طور پر تو خواہش ہوتی ہے کہ جب اس کا وجود عنصری مٹی تلے دب جانے کے بعد لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو جائے تو بھی اس کا نام اس جہان رنگ و بو میں کسی نہ کسی طرح زندہ رہے۔ رشتۂ ازدواج قائم کرنے کا سب سے بڑا مقصد تولیدِ انسانی ہے' جسے اس دنیا میں انسان کے ''بے نام و نشان'' ہونے سے بچنے کے لیے ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کتنے ہی ایسے بچے ہوتے ہیں جنھیں اپنے پردادا کا نام تک معلوم نہیں ہوتا۔ اس سے یہ پتا چلا کہ دنیا میں کسی شخص کا نام محض اولاد کے موجود ہونے سے زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہاں کسی بھی انسان کا ذاتی تقویٰ' اس کے کارہائے نمایاں یا بعض اوقات اس کے

بچوں میں موجود ایسی صفت اسے زندۂ جاوید بنا دیتی ہے۔ لیکن تصانیف ایسی اولاد ہوتی ہیں جو مصنف کو اس کی زندگی میں بھی شہرت سے بہرہ ور کرتی ہیں اور اس کے انتقال کے بعد بھی اس کے نام کو زندہ رکھتی ہیں۔ کسی قلمکار کی کوئی تحریر ہو یا کسی شاعر کا کوئی شعر' اسے اس سے بڑی محبت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کے تفکر و تدبر' محنت شاقہ' عمیق مطالعہ اور خداداد صلاحیتوں کا ماحصل ہوتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے انگریزی زبان میں کسی شخص کے تخلیقی کام یا نئے تخیل کو Brain-Child کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی شخص کو' صاحبِ تصنیف بننے کا ملکہ عطا کیا ہے تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے لیکن ان بدبختوں کا کیا کیا جائے جنھیں قلم پکڑنے کا سلیقہ نہیں ہے اور اپنے نام سے کتابیں طبع کرانے کے جنون نے انھیں شب و روز پریشان کر رکھا ہے۔ اگر ایک شخص کو سخت بھوک لگی ہو اور اس کے پاس خورد و نوش کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ ہی کچھ خریدنے کی استطاعت ہو تو وہ اپنی اشتہا کی تسکین کے لیے چوری کا ارتکاب کرے گا۔ اسی طرح صاحبِ کتاب بننے کے متمنی دوسروں کی تحریریں چوری کر کے شہرت کی اشتہا مٹانے کا بندوبست کر لیتے ہیں۔

اس فعل ناپسندہ کا ذکر کرتے ہوئے مختار جاوید منہاس مدیر ''حُسنِ عمل'' لاہور رقمطراز ہیں۔ ''علم و ادب کی دنیا میں اعلیٰ تخلیقات کی چوری اور کم تر درجے کے لوگوں کی جانب سے انھیں اپنے نام سے منسوب کرنے کی بیماری نئی نہیں ہے۔ مصنف اور ناشر کی اجازت کے بغیر کتابوں کا چھاپ لینا یا بعض حصوں کا سرقہ کر لینا بھی بہت عام ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ کوئی پسندیدہ اعمال ہیں۔ جب جب اس طرح کے معاملات منظر عام پر آئے' لوگوں نے کھل کر اظہار نفرت کیا اور اسے ایک قبیح حرکت قرار دیا''(۲)۔

سرقہ‘تصرف اور ڈاکا

اگرچہ اصطلاح میں تو کسی شاعر کے پہلے سے بیان کردہ خیال کو قصداً اور شعوری طور پر اپنے شعر میں ڈھالنا ”سرقہ“ اور کسی شاعر یا نثر نگار کے کلام میں کچھ ردوبدل کر کے ایک نئی معنوی کیفیت پیدا کرنا ”تصرف“ کہلاتا ہے۔(۳) لیکن کسی شاعر کی پوری نظم بلکہ پورا دیوان یا پھر کوئی نثری تخلیق یا تحقیق اپنے نام کر لینے کو راجا رشید محمود صاحب کی زبان میں ”ڈاکا“ کہا جائے گا۔ اگرچہ اس مکروہ فعل میں پہل کرنے والے شخص کے متعلق کوئی تحقیق میری نظر سے نہیں گزری تاہم اس کے ارتکاب کا سراغ دس گیارہ صدیاں قبل تک تو لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے اس قبیح عیاری کا پتا نہیں چلتا۔

پلاگیارزم (Plagiarism)

انگریزی زبان میں سرقہ کو پلاگیارزم (Plagiarism) کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب لغات میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

The Appropriation or immitation of the Language, ideas and thoughts of another author and representation of them as one`s Original Work.(4)

کسی دوسرے مصنف کی زبان‘ تخیلات اور خیالات کی نقل کرنا یا اسے (اصل مصنف کی مرضی کے خلاف) اپنا لینا اور اسے اپنے اصل کام (طبع زاد) کے طور پر پیش کرنا۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں **Plagiarism** کی تعریف اس طرح کی گئی ہے

Plagiarism, the act of taking the writings of another Person and passing them off as one`s own. The fraudulence is closely related to forgery and piracy.(4a)

کسی دوسرے شخص کی تحریروں کو چرا کر انہیں اپنا بنا لینے کے عمل کو سرقہ کہتے ہیں۔ اس فراڈ کا جعلسازی اور ڈکیتی سے گہرا تعلق ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کے دیوان کی چوری

واقعہ یوں ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا شعری مجموعہ کسی شخص نے اپنے نام کر لیا جس کا ذکر انہوں نے کتاب کے آغاز میں بڑے دکھ بھرے لہجے میں کیا ہے۔ انہوں نے رقم فرمایا ہے:

”ایک بار میرے اشعار کا دیوان کسی نے مانگا اور لے گیا۔ اس کے سوا میرے پاس کوئی اور نسخہ نہ تھا۔ اس نے دیوان کو بالکل بدل دیا۔ میرا نام اس پر سے مٹا دیا اور میری تمام محنت کو برباد کر دیا۔“(۵)

حضرت داتا گنج علی ہجویری علیہ الرحمہ سے قبل بھی شعری و نثری سرقات کا سراغ لگایا گیا ہے۔

ابن ندیم کی سرقات کی سراغ رسانی

محمد بن اسحٰق ابن ندیم وراق نے اپنی شہرۃ الآفاق کتاب ”الفہرست“ چوتھی صدی ہجری (۳۷۷ھ) میں لکھی جس میں انہوں نے ”سرقہ“ کی کچھ مثالیں دی

ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام اپنے ایک مضمون بعنوان ''تحقیق کے روایتی اسلوب'' میں
لکھتے ہیں کہ ہر دور میں ادبی تحقیق کا ایک اہم شعبہ رہا ہے کہ سرقات کا پتا چلا
جائے اور ابنِ ندیم سرقہ کی نشان دہی میں بہت مستعد تھا (۵ الف)۔ الفہرست
میں سری بن احمد کندی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ ''بلاتکلّف شعر کہتا تھا اور پرے
درجے کا سارق بھی تھا'' (۶) ابن ندیم نے سری بن احمد کے استاد کا نام ابو منصور
بن ابو براک لکھا ہے جس کے اشعار سرقہ کر کے اس نے اپنی طرف منسوب کر
لیے تھے (۷) ابوبکر محمد بن ہاشم اور ابوعثمان سعید بن ہاشم دونوں بھائی موصل کے
گاؤں خالدیہ کے باسی تھے اور ''خالدیان'' کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے
متعلق ابنِ ندیم رقمطراز ہے:

''اگر یہ کسی شعر کو پسند کر لیتے تو اس کو چھین لیتے یا اپنا لینے میں کوئی
مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ چاہے کہنے والا زندہ ہو یا مردہ۔ اور اس حرکت کے وہ اس
لیے مرتکب نہیں ہوتے تھے کہ وہ خود شعر کہنے سے عاجز و درماندہ تھے بلکہ یہ بات
ان کی عادت اور سرشت میں داخل تھی'' (۸)۔

ابنِ ندیم نے اپنے قریب العہد ابوبکر صولی کی کتاب ''الاوراق فی اخبار
الخلفاء والشعراء'' کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی تصنیف میں شعر اور شعرا کے سلسلہ
میں مصنف نے کتاب المزیدی پر اعتماد کیا ہے بلکہ بعینہ اسی کو نقل کر دیا ہے اور
پھر اپنی طرف منسوب کر لیا ابن ندیم لکھتا ہے، میں نے صولی کے کتب خانہ میں
اس شخص کا وہ مجموعہ دیکھا ہے کہ جس نے نقل کیا ہے اور جس کی وجہ سے یہ رسوا ہوا
ہے'' (۹)۔

الفہرست میں ایک اور شاعر ابوالفضل احمد بن ابو طاہر کا ذکر بھی ملتا ہے جو
''کتاب سرقات الشعراء'' کا مصنف ہے۔ اس کے متعلق ابن ندیم نے لکھا ہے''

تصنیف وتالیف اور شعر گوئی میں جو مشہور لوگ گزرے ہیں، میں نے ان میں سے
کسی کو بھی اس شخص سے زیادہ کلام میں تحریف کرنے والا، علمی اعتبار سے گھٹل
اور گفتگو میں لحن کو اپنانے والا نہیں دیکھا۔ جو شعر اس نے اسحاق بن ایوب کے
لیے کہے تھے، مجھے سنائے۔ اس میں دس سے زیادہ جگہ لحن کی کارفرمائی تھی۔ نصف
شعر یا ثلث شعر تو لوگوں کا قطعی چرا لیتا'' (۱۰)۔

لطفؔ بریلوی کے دیوان پر فداؔ کا ڈاکا

شاعری میں سرقہ کی کئی اور مثالیں بھی ملتی ہیں۔ نامور محقق نعت راجا رشید محمود
نے ماہنامہ ''نعت'' کا جنوری ۱۹۹۶ء کا شمارہ ''لطفؔ بریلوی کی نعت'' کے عنوان
سے شائع کیا۔ اس کے آغاز میں انہوں نے اپنے مضمون ''دیوانِ لطفؔ پر ڈاکا''
میں یہ انکشاف کیا کہ ''دیوانِ لطفؔ'' کی تمام نعتیں پروفیسر (ریٹائرڈ) سید حسین
شاہ فداؔ متوطن کوٹ نجیب اللہ، ہزارہ سرحد، حال مقیم اسلام آباد نے ''ارمغانِ
عقیدت'' میں چھاپ لی ہیں۔ مدیر نعت نے ان کی خوب خبر لی اور لطفؔ بریلوی
کی نعتیں از سرِ نو زیورِ طباعت سے آراستہ کر دیں تاکہ فداؔ کی چالاکی کا محققینِ نعت
خود اندازہ کر سکیں۔ ''لطفؔ بریلوی کی نعت'' میں راجا رشید محمود نے اس تغیر و
تبدیل کا بھی ذکر کیا جو فدا نے ''دیوانِ لطفؔ'' کو ارمغانِ عقیدت'' کے روپ
میں ڈھالنے کے لیے کیا۔ انہوں نے لکھا۔

''لطفؔ بریلوی کے اس دیوان میں موجود تمام نعتیں سید حسین شاہ فداؔ نے
اپنے نام سے ''ارمغانِ عقیدت'' میں نقل کر دی ہیں۔ تبدیلی ایک تو یہ کی ہے کہ
لطفؔ بریلوی کی ایک نعت کی دو، یا دو نعتوں کی تین چار نعتیں بنا دی ہیں۔ اس
مقصد کے لیے سہولت یہ رہی کہ لطف کی نعتوں میں کئی کئی مطلع ہیں۔ مقطع البتہ

فداؔ نے خود بنائے ہیں یا اپنے استاد سے بنوائے ہیں۔ البتہ اس کوشش میں کئی مقطعے نعت کی بحر کے بجائے ''بحر اوقیانوس'' تک چلے گئے ہیں۔ کسی کسی مصرعے یا شعر میں کچھ الفاظ کی تبدیلی کی سعی بھی کی گئی ہے۔ کہیں تو یہ بامعنیٰ ہے، کہیں کہیں بے معنی بھی ہے۔ ...... دیوانِ لطف میں حضرت غوثِ اعظم رحمہ اللہ تعالی کی ایک منقبت ہے۔ اس کو بھی حسین شاہ فداؔ نے نعت کی صورت میں پیش کر دیا ہے'' (۱۱) راقم الحروف نے لطفؔ بریلوی کا تذکرہ اور ان کے نعتیہ کلام کا ذکر تین پی ایچ ڈی کے مقالات میں پڑھا ہے۔ (۱۲) اور راجا رشید محمود کے انکشاف کے بعد فداؔ کی حماقت پر بڑی حیرت ہوئی ہے۔

چور کون؟ بسملؔ رامپوری یا تسخیرؔ بدایونی

راجا رشید محمود نے ''اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا'' جلد دوم میں ''چور کون'' کے عنوان سے سخاوت حسین تسخیرؔ بدایونی کی کتاب ''تحفۂ اخیار'' اور سید حمید حسن بسملؔ رامپوری کی ''دفترِ نعت حصہ اول'' میں شامل نعتوں پر بڑی عرق ریزی کے بعد ایک جیسے نعتیہ کلام کا پتا چلایا ہے۔ بس مقطعے مختلف ہیں۔ ان دونوں میں سے کون اصل شاعر ہے اور کون چور؟ راجا صاحب نے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا کیونکہ دونوں کے کلام کی تاریخ طباعت، دونوں کی شاعری اور زبان پر قدرت پر غور وغوض کے بعد کسی ایک کو ''اصل شاعر'' اور دوسرے کو ''شعر چور'' قرار دینا خاصا مشکل ہے۔ اسی لیے راجا صاحب نے اس مضمون کے آخر میں لکھا ''اتنی بات تو واضح ہے کہ تسخیرؔ اور بسملؔ میں سے کوئی ایک ضرور چور ہے۔ تحقیق جاری ہے۔ کوئی حتمی بات سامنے آئی تو قارئینِ محترم تک پہنچا دی جائے گی'' (۱۳)۔

شاعر ہی چوری ہو گیا

ویسے معروف شعرا کا کلام اپنے نام سے سنانے کے واقعات بھی اکثر رونما ہو چکے ہیں لیکن تاریخ کے اوراق میں ایک ایسا انوکھا واقعہ بھی محفوظ ہے کہ جب کلام ہی نہیں، صاحبِ کلام بھی چوری ہو گئے۔ تفصیل کچھ یوں ہے کہ فارسی کے نامور شاعر انوریؔ کا کلام ایک صاحب کسی محفل میں لہک لہک کر سنا رہے تھے اور داد بٹور رہے تھے۔ اتفاق سے انوریؔ بھی ادھر آ نکلے۔ انوری نے سرقہ کے مرتکب شخص سے کہا ''جانتے ہو یہ کلام انوریؔ کا ہے اور تم اسے اپنے نام سے سنا کر بددیانتی کا ارتکاب کر رہے ہو''۔ اس شخص نے کمال ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔ ''جی ہاں۔ یہ انوریؔ کا کلام ہے اور چونکہ انوریؔ میں ہی ہوں' اس لیے چوری کیسی؟ بدقسمتی سے وہاں انوریؔ کو کوئی پہچانتا نہیں تھا اس لیے الٹا انہیں ہی شرمندہ ہونا پڑا۔ اس پر انوری نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ ''آج تک اشعار کی چوری کا تو سنتے آئے تھے یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ شاعر ہی چوری ہو گیا'' (۱۴)۔

چونکہ آج کل کی ہنگامہ خیز زندگی میں لوگوں کے پاس شعرا کا کلام سننے کے لیے اتنی فرصت نہیں ہے جتنی انوری کے زمانے میں ہوتی تھی۔ آج کل شعرا اور سامعین دونوں شعر سنانے اور سننے کے لیے زیادہ تر الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لیتے ہیں لیکن شعر چرانے اور انہیں اپنے نام سے طبع کرانے کا شوق پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے اور دوسروں کا کلام اپنے نام کر لینے کو معیوب بھی نہیں خیال کیا جا رہا جو کہ ایک ہمارے انحطاط پذیر معاشرے کی واضح طور پر نشاندہی ہے۔

محشرؔ رسول نگری اور آفتاب نقویؔ کی توام شاعری

یہاں محشرؔ رسول نگری اور ڈاکٹر آفتاب احمد نقویؔ کے دو دو نعتیہ اشعار دیئے جا
رہے ہیں۔ قافیہ وردیف ایک ہے، مضمون میں بھی یکسانیت ہے، حضور نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدحت سرائی میں کسی ایک نعت گو شاعر کے اشعار کی
دوسرے سے اس قدر مشابہت کم ہی دیکھنے میں آئی ہے۔ دونوں کا کلام ملاحظہ
فرمائیں اور خود فیصلہ کریں کہ کیا قافیہ وردیف کی یکسانیت اور الفاظ و تخیلات کی
اس قدر ہم آہنگی ممکن ہے؟ محشرؔ رسول نگری کی نعت کے ابتدائی دو اشعار یوں
ہیں۔

شعورِ عشق مدینے کی سرزمیں سے ملا
دوا بھی، درد بھی، جو کچھ ملا، یہیں سے ملا
درِ نبی ﷺ پہ نہ کیوں ہو گمانِ عرشِ بریں
کہ سچ تو یہ ہے، خدا بھی ہمیں یہیں سے ملا (۱۵)

اب پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقویؔ مرحوم کی ایک نعت کے پہلے دو شعر
ملاحظہ فرمائیں:

شعورِ زیست مدینے کی سرزمیں سے ملا
چراغِ آگہی جس کو ملا، وہیں سے ملا
درِ نبی ﷺ ہے حقیقت میں بابِ عرشِ بریں
اگر خدا بھی ملا ہے ہمیں، یہیں سے ملا (۱۶)

حضرت علی ہجویریؒ کی منہاج الدین کا سرقہ

منظوم تحریروں کے سرقہ کی مثالیں دیکھ لینے کے بعد یہ تصوّر ہرگز ذہن میں نہ
لائیں کہ سرقہ صرف شعروں تک محدود ہے۔ شعر بلکہ دیوان "چوری" کر لینے

والوں کی طرح کئی نام نہاد اہلِ علم منثور تحریروں کا بھی سرقہ کر لیتے ہیں اور اس کی
تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ
"کشف المحجوب" میں اپنے ساتھ پیش آنے والے ایسے حادثے کا بھی ذکر کیا
ہے جو انہی کے قلم نے یوں رقم فرمایا:

"......ایک کتاب طریق تصوف پر "منہاج الدین" تصنیف کی۔ ایک مدعی
نااہل نے جس کا نام میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا، میرا نام اس پر سے مٹا دیا اور لوگوں
میں مشہور کر دیا کہ یہ اس کی تصنیف ہے۔ خاص لوگوں نے جو اس کی قابلیت اور
علمی بے بضاعتی سے واقف تھے، اس کی جسارت کا مذاق اڑایا۔ باری تعالیٰ نے
اس پر نحوست طاری کی اور اس کا نام طالبانِ حق کی فہرست سے مٹا دیا"۔ (۱۷)

انوارِ قطبِ مدینہ، ضیائے مدینہ کے روپ میں

اس سے مماثل کئی اور مثالیں بھی ملتی ہیں۔ مرکزی مجلسِ رضا نے حکیم محمد
موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے ربیع الاول ۱۴۰۸ھ میں حضرت ضیاء
الدین مدنی علیہ الرحمہ کے متعلق ایک کتاب "انوارِ قطبِ مدینہ" کے نام سے
شائع کی جس کے مرتّب خلیل احمد رانا تھے۔ لیکن رضا دار الاشاعت کے زیرِ اہتمام
اکتوبر ۱۹۹۸ء میں یہ کتاب "ضیائے مدینہ" کے نام سے طبع ہوئی ہے۔ جس پر بطورِ
مرتّب حاجی مقبول احمد ضیائی قادری کے فرزندِ ارجمند حافظ قاری محمد طاہر رضا کا
اسم گرامی دیا گیا ہے۔ راقم الحروف کو محقّقِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ نے
"انوارِ قطبِ مدینہ" کا ایک نسخہ عنایت کیا تھا۔ "ضیائے مدینہ" نہ دیکھی ہے اور نہ
ہی پڑھی ہے لیکن مختار جاوید منہاس مدیر "حُسنِ عمل"، لاہور کے مطابق "دونوں
کتابیں سامنے رکھنے سے ایک ہی کتابت کے استعمال کی شہادتیں اتنی زیادہ ہیں

کہ دراصل یہ ''انوارِ قطبِ مدینہ'' ہی کا دوسرا ایڈیشن لگتا ہے'' (۱۸)۔

تحقیق میں سرقہ

آج کل ''سرقہ'' ایسی کتب تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ تحقیق وتنقید سے متعلق لکھی گئی تحریروں پر بھی ہاتھ صاف کئے جارہے ہیں جس کا الگ مفصل ذکر کیا جا رہا ہے' ڈھٹائی کی انتہا ہے کہ چوری کی گئی ''تحقیق'' پر نہ صرف جامعات سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کی جارہی ہیں بلکہ ان کو طبع کر کے رقم بھی کمائی جارہی ہے۔ ایسی مسروقہ تحقیق پر ڈگریوں کی سفارش کرنے والے ''ماہرین'' اور ایسے چور شدہ ''مال'' کو چھاپنے والے ''ناشرین'' سارقین کی ایسی حرکتوں سے بالکل بے خبر دکھائی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی پر سرقہ نگاری کے تازہ الزامات

روزنامہ ''خبریں'' میں لاہور کے ادبی اخبار ''بجنگ آمد'' کے حوالے سے یہ خبر شائع کی گئی تھی کہ ڈاکٹر طاہر تونسوی ڈاکٹر عرش صدیق مرحوم کی کتابیں اپنے نام کرنے والے ہیں۔ اخبار میں طاہر تونسوی پر سرقہ نگاری کے چند تازہ الزامات بھی عائد کئے گئے تھے...... اس پر طاہر تونسوی نے ''بجنگ آمد'' کے مدیر اختر شمار کو ایک نوٹس دیا تھا کہ ان باتوں کی تردید چھاپیں اور ان سے معذرت کریں۔ عدم تردید کی صورت میں عدالتی کارروائی کی دھمکی دی گئی تھی۔ اس سے قبل طاہر تونسوی سرقہ نگار کے کئی دستاویزی ثبوت رسائل میں چھپنے اور ان کی طرف سے تردید نہ کرنے کی بھی خبر دی گئی تھی۔ (۱۹)

اہلِ علم وتقویٰ سے منسوب جعلی کلام اور کتب

راقم الحروف نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ بعض بزرگ ہستیوں کے نام سے ایسے اشعار' اقوال یا کتب منسوب کردی جاتی ہیں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ محض اپنے نظریات کو عام کرنے کے لیے یا اپنے مسلک کو حق ثابت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں میں نے خود ملاحظہ کی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں اپنا دیوان چوری ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔ مگر انہوں نے نہ اس کا نام بتایا اور نہ ہی یہ لکھا کہ یہ مجموعہ عربی اشعار پر مشتمل تھا یا فارسی دیوان تھا۔ محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ نے بڑی عرق ریزی سے اس کی تردید کی ہے کہ جس ''کشف الاسرار'' کو حضرت گنج بخش قدس سرہ کی کتاب بتایا جاتا ہے' وہ وضعی ہے۔ حکیم صاحب نے اس کا تعارف کراتے ہوئے لکھا۔ ''کشف الاسرار: آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحبؒ کی طرف منسوب ہے جو غالباً پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا۔ پھر اس کے متعدد اردو تراجم شائع ہوئے۔ طرفہ یہ ہے کہ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحب کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استناد کرتے رہے۔ حالانکہ یہ رسالہ بزبانِ حال اپنے وضعی ہونے کی خود شہادت دے رہا ہے''۔ اس کے بعد حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے کشف الاسرار کے جعلی ہونے کے سات ثبوت پیش کیے جو اس کے وضعی ہونے پر مُہرِ تصدیق ثبت کررہے ہیں''۔ (۲۰)

اپنے پراگندہ خیالات کو کسی معروف بزرگ کے نام سے مشتہر کرنے کی روایت کافی عام ہو چکی ہے۔ بعض صوفیہ کے ملفوظات میں اس کی کئی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اگر ان تصانیف اور ملفوظات کا بیک وقت مطالعہ کیا جائے تو ان میں تضاد کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ راقم الحروف نے اپنی تصنیف ''یومِ

ولادتِ مصطفیٰ ﷺ'' میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب کتب کا ذکر کیا تھا۔ اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی کتب کے تراجم میں بھی ایسے ردوبدل کیے گئے ہیں بلکہ بہت سی کتابیں اور رسالے خود لکھ کر ان کے نام سے منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ اس کی تحقیق سید سلیمان ندوی، مولانا وکیل احمد، غلام رسول مہر، مولانا محمد علی کاندھلوی، مولانا مشتاق احمد، ظہیر الدین نواسہ شاہ رفیع الدین دہلوی، پروفیسر ایوب قادری اور محققِ عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری وغیرہم نے کی ہے۔ اربابِ تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ مندرجہ ذیل کتابیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہیں۔ بوجود لوگوں نے ان کے نام لگا دی ہیں۔

۱۔ تحفۃ الموحدین ۲۔ البلاغ المبین ۳۔ قولِ سدید ۴۔ اشارہ مستمرہ ۵۔ قرۃ العینین فی ابطالِ شہادتِ حسین ۶۔ جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ ۷۔ رسائلِ اوائل ۸۔ فیما یجب حفظ للناظر'' (۲۱) میں نے یہ معلومات ''انفاس العارفین'' کی تقدیم از راجا رشید محمود سے لی تھیں۔ انھوں نے سولہ صفحات پر مشتمل تقدیم میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (۲۱۔ الف)

آج کل غلام احمد پرویز کے نام سے چھپنے والی ''مقامِ حدیث'' کا پہلا ایڈیشن ستمبر ۱۹۵۳ میں طبع ہوا تھا اور کتاب پر مؤلف یا مصنف کا نام درج نہیں تھا۔ البتہ پیش لفظ ناظم ادارہ طلوعِ اسلام کراچی کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ طبع جدید اور تیسرے ایڈیشن کا پیش لفظ ناظم ادارہ طلوعِ اسلام کراچی لکھا ہوا ہے۔ حافظ محمد سجاد تترالوی کے الفاظ میں ''قرائن سے پتا چلتا ہے کہ مذکورہ کتاب کو ناظم ادارہ چوہدری غلام احمد پرویز نے مرتب کیا ہے البتہ بعض مباحث علامہ محمد اسلم جیراجپوری کے تصنیف کردہ ہیں'' (۲۲)۔

ابنِ ندیم اور جعل سازی کی تحقیق

ابنِ ندیم نے جہاں شعرا کے ''سرقات'' کا ذکر کیا ہے، وہاں اس نے کتب کے حوالے سے کی گئی جعل سازی کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

''کتابوں میں جعل سازی کی نشاندہی کے بارے میں ابنِ ندیم خاصا مستعد ہے۔ کونسا جز واصل مصنف کی تصنیف ہے، کون سے حصے وراقوں کی جعل سازی ہیں؟ جعل سازی میں کس نے پہل کی، کون شریک تھا، اور کتاب کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ غرض کہ سب پہلوؤں پر وہ روشنی ڈالتا ہے۔ وہ ایک خاص مسلک کا پیرو ہے مگر کتابوں کی چھان بین کے ذیل میں ہم مسلکوں پر بھی بھرپور تنقید اور بے لاگ رائے کا اظہار کرتا ہے'' (۲۳)۔

فتنۂ وضعِ احادیث

جس طرح دیگر شخصیات سے مختلف کتب منسوب کر دی گئیں تا کہ غلط باتیں مستند شخصیات سے منسوب کر کے عام کی جا سکیں اسی طرح فتنۂ وضعِ حدیث نے بھی اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ائمۂ حدیث نے اس کا قلع قمع کرنے کے لیے بہت مؤثر کوششیں کیں۔ اس فتنہ کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حماد بن زید کی شہادت کے مطابق اعداء اسلام نے چودہ ہزار احادیث وضع کیں اور عبدالکریم بن ابی العوجاء نے خود چار ہزار احادیث تراشنے کا اعتراف کیا۔ اسی طرح وضعِ حدیث سے توبہ کرنے والے ابورجاء القدری نے بھی اقرار کیا تھا کہ اس نے تقریباً چار ہزار احادیث وضع کی ہیں۔ موضوع احادیث پر

پانچویں صدی ہجری کے بعد متعدد کتب لکھی گئی ہیں۔ ڈاکٹر عمر فاروق غازی کے مطابق اس پر قریباً چالیس تالیفات لکھی گئی ہیں جن میں سے دس کا تعارف انہوں نے اپنی تالیف ''تحقیق کے اصول وضوابط۔۔۔ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں'' میں دیا ہے۔

مغربی دنیا کی جعل سازیاں

''دی سکالرز ایڈونچرز'' کے مصنف نے ایک دلچسپ واردات پیش کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے۔ لندن کے دو نوجوان جان کارٹر اور گراہم پولرڈ پرانی کتابوں کا کاروبار کرتے تھے۔ پولرڈ کو کیمبرج ببلیو گرافی آف انگلش لٹریچر کے لیے رسکن پر ایک باب لکھنا تھا۔ اس سلسلے میں انہیں رسکن کے کک اینڈ ویڈر برن ایڈیشن کو بار بار دیکھنا پڑتا تھا۔ اس ایڈیشن میں ان کی نظر ایڈیٹر کے اس حاشیے پر پڑی کہ رسکن کے نام سے جو بعض پمفلٹ پہلے ایڈیشن کے طور پر شائع ہوئے ہیں، وہ قطعی جعلی ہیں۔ صرف یہ ایک معمولی سی اطلاع تھی جو یورپ کی کتابی دنیا کے سب سے بڑے فراڈ کے انکشاف کا ذریعہ بنی۔ یہیں سے ان دونوں پولرڈ اور کارٹر نے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلا انکشاف یہ تھا کہ عہد وکٹوریہ کے بعض مشہور مصنفین کے نام سے جو پمفلٹ ملتے ہیں، وہ بالکل جعلی ہیں۔ انہوں نے براؤننگ کے Sonnet From the Portuguese نامی پمفلٹ کو جعلی ثابت کیا (۲۴) اسی طرح ایک اور جعل سازی ہٹلر کی ڈائریوں کے متعلق تشت از بام ہوگئی (۲۵)

دراصل اس طرح کی حرکات بالعموم تین محرکات کے تحت کی جاتی ہے۔ ایک تو مالی فائدہ حاصل کرنے کے لیے۔ دوسرا محرک شہرت کا حصول ہوتا ہے اور جعل

سازی کا تیسرا سبب اپنے نظریات خواہ وہ مذہبی ہوں یا معاشرتی، لسانی ہوں یا ادبی، انہیں کسی مستند شخصیت سے منسوب کر کے مقبول عام بنانا ہوتا ہے۔

ممتاز لیاقت کی ''بکف چراغ دارد''

''سرقہ'' کا ارتکاب غیر معروف اہلِ قلم ہی نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات علم و ادب کی قد آور شخصیات بھی اس قبیح فعل کی مرتکب ہوتی ہے، ممتاز لیاقت نے بکف چراغ دارد'' (۱۴۴ صفحات کی کتاب) مرتب کی تھی جس میں ایسی مثالیں دی تھیں۔ انہوں نے اصل ماخذ اور چوری شدہ تحریر آمنے سامنے درج کر کے سرقہ کرنے والوں کو بے نقاب کیا تھا۔

سید وقار عظیم کا سرقہ

سید مسعود حسن رضوی ادیب کی کتاب ''لکھنو کا عوامی سٹیج'' میں ایک مضمون ''امانت لکھنوی'' شامل تھا۔ یہ کتاب ۱۹۵۷ء میں سلیمی پریس الہ آباد سے شائع ہوئی تھی۔ یہ مضمون سید وقار عظیم نے ''اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' کی تیسری جلد میں ۱۹۶۷ء میں اپنے نام سے طبع کروا دیا (۲۶) دونوں کی عبارت بالکل ایک جیسی ہے البتہ کہیں کہیں چند جملے حذف کر دیے گئے ہیں۔ آخر میں ماخذ کی فہرست شامل ہے جس کے بارے میں ممتاز لیاقت رقمطراز ہیں:

''اس کے بعد فاضل مضمون نگار نے ماخذ کی فہرست دی ہے۔ اگرچہ اس موازے کے بعد ظاہر ہے کہ فہرست کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ لیکن یہ ماخذ کی فہرست بھی مسعود حسن رضوی کی مذکورہ کتاب کے آخر میں دی گئی طویل فہرست

میں سے انتخاب ہے۔ البتہ ایک دو نام اپنی طرف سے مضمون نگار نے ''تبرکاً''
بڑھا دیے ہیں'' (۲۷)۔

سید وقار عظیم نے یہ حرکت سید مسعود حسن رضوی ادیب کی تصنیف ''لکھنو کا
عوامی سٹیج'' کی طباعت کے صرف دس سال بعد کی۔ اور کہیں مسعود حسن ادیب کا
حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھا تا کہ ان کی چوری شدہ تحریر کا پتا نہ چل سکے۔ لیکن
ایسے چوروں کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جو چیز چھپ جاتی ہے وہ کہیں نہ کہیں
محفوظ ہو جاتی ہے اور کوئی نہ کوئی اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اسے اپنی یادداشت
کا ناقابل فراموش حصہ بنالیتا ہے۔

دوسری زبانوں سے مقالات یا تحریریں ترجمہ کر کے طبع زاد بنالینا

ایک سے زیادہ زبانوں کا جاننا تحقیق کے لیے اشد ضروری ہے۔ اردو کے
ماہرین کے لیے فارسی، علوم اسلامیہ اور اسلامی تاریخ کے لیے عربی زبان سے
واقفیت کے بغیر تحقیق کرنے والا بڑی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اس زمانے میں کسی بھی
مضمون کے محقق کے لیے انگریزی زبان کا جاننا بڑی افادیت کا حامل ہے۔ بعض
اوقات انگریزی میں کورے محقق اپنے موضوع کے بارے میں انگریزی کتب
کے ناموں سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی زبان کے علاوہ دیگر زبانیں
جاننے والے بعض اوقات ایسی چالاکیاں کرتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان
انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اگر کوئی عربی زبان پر عبور رکھتا ہے یا کسی کو انگریزی
آتی ہے تو وہ ان زبانوں میں لکھی گئی کتب کے تراجم کر کے انہیں طبع زاد تحریریں بنا
لیتا ہے۔ ممتاز لیاقت نے اپنی کتاب ''۔۔۔۔۔بکف چراغ دارد'' میں ایسی دو
مثالیں پیش کی ہیں۔ ایک صفحہ پر اردو اور سامنے والے صفحہ پر اس کی ماخذ

انگریزی عبارات دی ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ لیکن ان کی یہ کاوش اردو
زبان و ادب کے دو بڑے ناموں سجاد باقر رضوی اور سید وقار عظیم کے سرقہ کو
طشت از بام کر دیتی ہے۔

دنیائے ادب کی جانی پہچانی شخصیت سید وقار عظیم کا مضمون ''تاریخی ناول اور
اس کا فن'' رسالہ ''سویرا'' کے ۲۶ ویں شمارے میں ۱۹۵۸ء میں چھپا تھا۔ پھر ان
کی تصنیف ''فن اور فنکار'' میں افتتاحی مقالے کے طور پر شامل ہے۔ دراصل ان
کا یہ مضمون شیپرڈ (Alfred Tresidder Sheppard) کی
کتاب The Art And Pratice کا ترجمہ ہے جس میں کچھ جملوں
کا اضافہ ضرور کیا گیا جو Humphrey Toulmin نے ۱۹۳۰ء میں
لندن سے شائع کی۔

ممتاز لیاقت کے الفاظ میں ''سید وقار عظیم کے مضمون میں مختلف نقادوں کے
حوالے تو ضرور ملیں گے لیکن اس کتاب کا حوالہ کہیں نہیں ملے گا۔ کیوں؟ اس کی
وجہ قارئین دونوں کے موازنے سے سمجھ جائیں گے (۲۸)۔

سید وقار عظیم کا یہ مضمون 51 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور الفریڈ ٹریسیڈر شیپرڈ
کی تحقیق کا اردو ترجمہ ہے لیکن اصل ماخذ کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا۔ (۲۹)

سجاد باقر رضوی نے ایک مضمون ''ہنسی کے متعلق عرب حکما کے چند نظریات''
مجلس ترقی ادب کے سہ ماہی مجلے ''صحیفہ'' کے ۳۶ ویں شمارے میں شائع کرایا جو
جولائی ۱۹۶۶ء میں چھپا تھا۔ مذکورہ بالا مضمون اس شمارے کے صفحہ ۵۹۲ پر ملاحظہ
کیا جا سکتا ہے یہ مضمون روزنتھال (Franz Rosenthal) کی کتاب
Appendix: On Laughter کے Hummar In Early
Islam کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ یہ کتاب فلاڈلفیا سے یونیورسٹی آف پینسوانیا

میں سے انتخاب ہے۔ البتہ ایک دو نام اپنی طرف سے مضمون نگار نے ''تبرکا'' بڑھا دیے ہیں'' (۲۷)۔

سید وقار عظیم نے یہ حرکت سید مسعود حسن رضوی ادیب کی تصنیف ''لکھنو کا عوامی سٹیج'' کی طباعت کے صرف دس سال بعد کی۔ اور کہیں مسعود حسن ادیب کا حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھا تا کہ ان کی چوری شدہ تحریر کا پتا نہ چل سکے۔ لیکن ایسے چوروں کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جو چیز چھپ جاتی ہے وہ کہیں نہ کہیں محفوظ ہو جاتی ہے اور کوئی نہ کوئی اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اسے اپنی یادداشت کا ناقابل فراموش حصہ بنا لیتا ہے۔

دوسری زبانوں سے مقالات یا تحریریں ترجمہ کر کے طبع زاد بنا لینا

ایک سے زیادہ زبانوں کا جاننا تحقیق کے لیے اشد ضروری ہے۔ اردو کے ماہرین کے لیے فارسی، علوم اسلامیہ اور اسلامی تاریخ کے لیے عربی زبان سے واقفیت کے بغیر تحقیق کرنے والا بڑی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اس زمانے میں کسی بھی مضمون کے محقق کے لیے انگریزی زبان کا جاننا بڑی افادیت کا حامل ہے۔ بعض اوقات انگریزی میں کورے محقق اپنے موضوع کے بارے میں انگریزی کتب کے ناموں سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی زبان کے علاوہ دیگر زبانیں جاننے والے بعض اوقات ایسی چالاکیاں کرتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اگر کوئی عربی زبان پر عبور رکھتا ہے یا کسی کو انگریزی آتی ہے تو وہ ان زبانوں میں لکھی گئی کتب کے تراجم کر کے انہیں طبع زاد تحریریں بنا لیتا ہے۔ ممتاز لیاقت نے اپنی کتاب '' ---- بکف چراغ دارد'' میں ایسی دو مثالیں پیش کی ہیں۔ ایک صفحہ پر اردو اور سامنے والے صفحہ پر اس کی ماخذ

انگریزی عبارات دی ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ لیکن ان کی یہ کاوش اردو زبان و ادب کے دو بڑے ناموں سجاد باقر رضوی اور سید وقار عظیم کے سرقہ کو طشت از بام کر دیتی ہے۔

دنیائے ادب کی جانی پہچانی شخصیت سید وقار عظیم کا مضمون ''تاریخی ناول اور اس کا فن'' رسالہ ''سویرا'' کے ۲۶ ویں شمارے میں ۱۹۵۸ء میں چھپا تھا۔ پھر ان کی تصنیف ''فن اور فنکار'' میں افتتاحی مقالے کے طور پر شامل ہے۔ دراصل ان کا یہ مضمون شیپرڈ (Alfred Tresidder Sheppard) کی کتاب The Art And Pratice کا ترجمہ ہے جس میں کچھ جملوں کا اضافہ ضرور کیا گیا جو Humphrey Toulmin نے ۱۹۳۰ء میں لندن سے شائع کی۔

ممتاز لیاقت کے الفاظ میں ''سید وقار عظیم کے مضمون میں مختلف نقادوں کے حوالے تو ضرور ملیں گے لیکن اس کتاب کا حوالہ کہیں نہیں ملے گا۔ کیوں؟ اس کی وجہ قارئین دونوں کے موازنے سے سمجھ جائیں گے (۲۸)۔

سید وقار عظیم کا یہ مضمون 51 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور الفریڈ ٹریسیڈر شیپرڈ کی تحقیق کا اردو ترجمہ ہے لیکن اصل ماخذ کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا۔ (۲۹)

سجاد باقر رضوی نے ایک مضمون ''ہنسی کے متعلق عرب حکما کے چند نظریات'' مجلس ترقی ادب کے سہ ماہی مجلے ''صحیفہ'' کے ۳۶ ویں شمارے میں شائع کرایا جو جولائی ۱۹۶۶ء میں چھپا تھا۔ مذکورہ بالا مضمون اس شمارے کے صفحہ ۵۹۲ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے یہ مضمون روزنتھال (Franz Rosenthal) کی کتاب Hummar In Early Islam کے Appendix: On Laughter کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ یہ کتاب فلاڈلفیا سے یونیورسٹی آف پینسوانیا

پریس میں ۱۹۵۶ء میں پہلی بار چھپی۔(۳۰) On Laughter اس کے صفحات ۱۳۲ تا ۱۳۸ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے (۳۱) انتہائی افسوس کی بات ہے کہ انہیں ''عرب حکما'' کے نظریات کے لیے ایک مستشرق کی تحریر سے استفادہ نہیں، سرقہ کرنا پڑا۔ اگر وہ خود ان حکما کی تصانیف کی چھان پھٹک کرتے تو اس سے کہیں ضخیم مضمون لکھ سکتے تھے لیکن سہل پسندی کے باعث ہم نے اخلاقی قدروں کو پامال کر دیا ہے۔ اگر اس جیسا مضمون لکھنا ان کے بس میں نہیں تھا تو پھر روز نتھال کی کتاب کا حوالہ دے دیتے اور اپنے دامن کو بددیانتی کے دھبوں سے داغدار نہ کرتے۔

محترمہ صائمہ ممتاز کا انگریزی اخبار ''دی نیشن'' کے Readers Column میں Copying a Classic کے عنوان سے ایک مکتوب شائع ہوا ہے جس کے مطابق پی ٹی وی ورلڈ پر ٹیلی کاسٹ ہونے والا ڈرامہ ''اب کے ہم بچھڑے'' اصل میں برنارڈ شا (Bernard Shaw) کی کلاسیکی کامیڈی Pygmalian کا چربہ ہے (۳۲) اب تک کی کہانی برنارڈ شا کے مذکورہ قلمی شاہکار کا ترجمہ ہے۔

مجلّہ ''اوج'' کے نعت نمبروں پر ماہنامہ ''نعت'' کا ظل

گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور کے مجلّہ ''اوج'' نے دو جلدوں میں ایک ضخیم نعت نمبر شائع کیا جس کے مرتب ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی مرحوم تھے (انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے پنجابی نعت کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی)۔ اس کے متعلق پروفیسر افضال احمد انور نے کہا تھا کہ ''حقیقت یہ ہے کہ ''اوج'' کے نعت نمبروں میں متعدد جگہ ماہنامہ نعت سے خوشہ چینی بلکہ ''ہو بہو

چینی'' کی پوری کی پوری مثالیں ملتی ہیں''۔(۳۳) مدیر نعت نے ''اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا'' جلد اول میں اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ''اوج کے بہت سے صفحات پر ماہنامہ نعت کا ظل نظر آتا ہے۔ اگرچہ مدیر ''اوج'' نے کسی شکریے یا حوالے کی ضرورت محسوس نہیں کی (۳۴) راجا رشید محمود نے اس کا انکشاف کیا کہ ''نعت چیست'' (نعت کیا ہے؟) کے عنوان سے اوج میں شامل دو نظموں کے علاوہ تمام نظمیں ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے فروری ۱۹۸۸ء کے خاص نمبر بعنوان ''نعت کیا ہے؟'' کے صفحہ ۲۴، ۳۸، ۳۹، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۸۸، ۱۰۱، ۱۰۲، اپریل ۱۹۸۸ء کے خاص نمبر بعنوان ''اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو'' حصہ اول کے صفحہ ۱۸، ۱۰۳، ۱۰۴ اور جون ۱۹۸۸ کے خاص نمبر بعنوان ''اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو'' حصہ دوم کے صفحہ ۱۰۱ سے لی گئیں (۳۵) اس کے علاوہ ماہنامہ ''نعت'' سے آٹھ مضامین بھی لے کر چھاپ دیے گئے۔ یہ مضمون نگاروں کی خوش بختی ہے کہ انہی کے نام سے طبع ہوئے ہیں۔ لیکن کسی کا مضمون، نظم بلکہ کتاب بغیر اجازت چھاپ لینے کو تو معیوب تک نہیں سمجھا گیا کسی کی طبع شدہ تحریر کو کتابچہ کے طور پر چھاپنے سے قبل مصنف کو چار سطروں کا خط لکھ کر مطلع تک نہیں کیا جاتا۔ دیگر اہلِ علم کی طرح راقم الحروف کے ساتھ بھی ایسا ہو چکا ہے۔ اس کی نشاندہی راجا رشید محمود نے مئی ۱۹۹۵ء کے خاص نمبر بعنوان ''نعت کیا ہے؟'' حصہ سوم میں بھی ''نعت نمبروں کے مرتّبین کے لیے'' کے زیرِ عنوان بھی کی ہے۔(۳۶)

حضرت تھانوی کی مرزا قادیانی کی کُتُب سے خوشہ چینی

مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک کتاب دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر

خانہ کراچی سے مئی ۱۹۷۸ء میں محمد رضی عثمانی کے زیر اہتمام طبع ہوئی جس کا اردو نام "احکام اسلام عقل کی نظر میں" تھا۔ اس کا عربی نام حضرت تھانوی صاحب نے "المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ" رکھا تھا۔ ناشر کے مطابق یہ کتاب تقسیمِ ہند سے قبل ۱۳۶۸ھ میں ادارہ اشرف العلوم کے ذیلی ادارہ دارالاشاعت (یو۔پی) سے شائع ہوئی تھی۔(۳۷) اس کتاب کے تینوں حصے ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی کو "حکیم الامت" اور "محی السنۃ" جیسے القابات سے ان کی زندگی میں ہی مشرف کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے "بیان القرآن" کے نام سے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا اور تفسیر رقم فرمائی۔ انھوں نے "بہشتی زیور" جیسی آسان فہم کتاب بھی لکھی "جو مسلم عروسات کے جہیز کا جزو لاینفک بن جانے کے باعث ایک کثیر الاشاعت تصنیف بن گئی۔ انہوں نے "نشر الطیب" میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔ علاوہ ازیں "التکشف عن مہمات التصوف" کی تصنیف کے ذریعے دنیائے تصوف کے شہباز کہلائے اور "عمدۃ الواصلین" اور "زبدۃ العارفین" جیسے خوبصورت القابات کے حقدار ٹھہرے اور آج بھی ان کے فیض یافتہ حضرات پیری مریدی کا سلسلہ چلا رہے ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا تھانوی نے تحریکِ پاکستان میں بھی اپنے ہم مسلک علما کے برعکس مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع کی طرح مثبت کردار ادا کیا۔ البتہ وہ قیامِ پاکستان سے قبل ہی وصال فرما گئے۔ لیکن ان کی کتاب "احکامِ اسلام عقل کی نظر میں" کے بعض مقامات پر قادیان کے مسیلمہ کذاب میرزا غلام احمد کی تحریروں کے اقتباسات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۸ء میں چھپنے والی کتاب میں لکھی گئی کسی بھی بات کے ذمہ دار مولانا تھانوی

کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ کتاب اس سے قبل ۱۳۶۸ء بمطابق ۱۹۴۹ء میں بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ بلکہ ۱۹۴۹ء سے بھی پہلے "المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ" کا پہلا حصہ ان کی زندگی میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ دوسرا حصہ ماہنامہ "الہادی" کی جلد اول از جمادی الاول ۱۳۴۳ھ لغایت ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ میں طبع ہوا۔ جو محمد عثمان عامی کی ادارت میں مطبع محبوب المطابع دہلی سے چھپ کر کتب خانہ اشرفیہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ رسالہ الہادی دہلی جلد اول شمارہ ۱۲ بابت ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ میں حصہ دوم کا ٹائٹل اور فہرست مضامین شائع ہوئی تھی (۳۸)۔ شمسی تقویم کے مطابق اس شمارہ کی تاریخ طباعت نومبر ۱۹۲۵ھ بنتی ہے۔ مولانا تھانوی کے نام کے ساتھ "مدظلہم" لکھا ہے۔ اس شمارے میں لکھا ہے کہ المصالح العقلیہ جلد اول کتابی صورت میں شائع ہوئی اور جلد دوم رسالہ الہادی کی جلد اول میں شائع ہو کر ختم ہوئی اور جلد سوم جمادی الاول ۱۳۴۴ھ جلد دوم الہادی میں شائع ہونی شروع ہو گی۔(۳۹)

اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مذکورہ کتاب کے دو حصے حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب نے "الہادی" میں قسط وار اس وقت طبع کرائے جب وہ اپنے تلامذہ، مریدین اور قارئین کے لیے "مدظلہم" تھے۔ اس کتاب پر جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی جمیل احمد نے حاشیہ بھی لکھا جو پہلی بار جنوری ۱۹۶۴ء میں، دوسری بار فروری ۱۹۷۲ء میں اور تیسری بار مارچ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ اس کے مقدمہ کے آخر میں یکم رجب ۱۳۳۴ھ اور اختتام پر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کی تاریخیں درج ہیں۔ اس کے کل ۱۴۴ صفحات ہیں۔(۳۹۔الف)

علامہ تھانوی کی "المصالح العقلیہ" میں متعدد مقامات پر ایسے اقتباسات ملتے

ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کی کتب میں حرف بحرف موجود ہیں۔ غلام احمد قادیانی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرا (۴۰) اور اس کی تحریریں اس سے قبل ہی کی ہو سکتی ہیں لیکن اس کتاب کی جلد دوم ۱۹۲۵ء میں پہلی بار ''الہادی'' میں شائع ہوئی اور تیسری جلد اس کے بعد الہادی میں ہی قسط وار چھپی۔ یہاں ایسے اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں جو بادی النظر میں مرزا قادیانی کی کتب سے دزدیدہ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ من وعن اس کی کتب میں موجود ہیں۔ اس کے باوجود اگر کسی محقق کو اس سے اختلاف ہو تو مندرجہ بالا تمام حقائق کا بنظرِ غائر جائزہ لے اور حق بات سامنے لائے البتہ محض مناظرانہ انداز میں تردید کا ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے تھانوی صاحب سے یا تھانوی صاحب نے مرزا صاحب سے سرقہ نہ کیا ہو اور دونوں حضرات نے کسی مشترک ذریعہ سے مواد نقل کیا ہو۔ بہر حال حکیم الامت تھانوی صاحب کی مذکورہ کتاب کے ایسے اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں اور پھر مرزا قادیانی کی کتب سے، جن میں یہ عبارات حرف بحرف موجود ہیں، حوالے درج کیے جائیں گے لیکن یہ بات مدنظر رہے کہ مرزا قادیانی کی اصل کتب مدیرِ نعت کی لائبریری میں موجود ہیں اور کسی ثانوی مآخذ (Secondary Source) پر انحصار نہیں کیا جا رہا ہے۔

''احکامِ اسلام عقل کی نظر میں'' کے حصہ اول میں ''وجہِ تعیینِ اوقات پنجگانہ نماز'' کے زیرِ عنوان علامہ تھانوی نے لکھا ہے:

''پنجگانہ نمازیں کیا ہیں، وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہیں یعنی تمہاری زندگی کیلئے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو تم پر وارد ہوتے ہیں اور تمہاری فطرت کیلئے ان کا وارد ہونا ضرور ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ پہلے جب کہ تم مطلع کیے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے۔ مثلاً

جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو۔ یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوشحالی میں خلل ڈالا۔ سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے اپنی خوشحالی کے زوال کے مقدور ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مقابل پر نمازِ ظہر متعین ہوئی جس کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے'' (۴۱) مندرجہ بالا پیراگراف مرزا غلام احمد قادیانی کے رسالہ ''کشتی نوح'' کے صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (۴۲) فقط ''جن کی تفصیل حسب ذیل ہے'' کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

مولانا تھانوی ''وجہِ تعیینِ نمازِ عصر'' کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:

''دوسرا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے۔ جبکہ تم بلا کے محل سے بہت نزدیک کیے جاتے ہو مثلاً جب کہ تم بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر حاکم کے سامنے پیش کیے جاتے ہو۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارا خوف سے خون خشک اور تسلی کا نور تم سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے۔ سو یہ حالت تمہاری اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب سے نور کم ہو جاتا ہے اور نظر اس پر جم سکتی ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب آفتاب نزدیک ہے۔ جس سے اپنے کمالات کے زوال کے اشتمال قریب تر پر استدلال کرنا چاہیے۔ اس روحانی حالت کے مقابل نمازِ عصر مقرر ہوتی ہے'' (۴۳)۔

یہ پیراگراف بھی مرزا قادیانی کی ''کشتی نوح'' میں گزشتہ عبارت کے بعد بالکل انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ (۴۴) اور کسی شوشے تک کا فرق نہیں۔

تھانوی صاحب اور مرزا قادیانی نمازِ مغرب کی وجہ تعیین بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تیسرا تغیر تم پر اس وقت آتا ہے جب اس بلا سے رہائی پانے کی امید منقطع

ہو جاتی ہے مثلاً تمہارے نام فردِ قرار داد جرم لکھی جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ تمہاری ہلاکت کیلئے گزر جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب تمہارے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتے ہو۔ سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور تمام ہوس ناکی کی امیدیں دن کی روشنی کو ختم ہو جاتی ہیں۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے"۔ (۴۵)

خیالات کی یکسانیت تو درکنار، پیروں کے پیرے "ہو بہو" ہونا کسی ایک کا دوسرے کی تحریر سے چوری کو ثابت کرتا ہے یا پھر دونوں نے کسی مشترکہ ذریعہ سے دزدی کا ارتکاب کیا ہے۔ مرزا قادیانی نماز عشاء کے متعلق "کشتی نوح" میں لکھتے ہیں۔

"چوتھا تغیر اس وقت تم پر آتا ہے کہ جب بلا تم پر وارد ہی ہو جاتی ہے اور اس کی سخت تاریکی تم پر احاطہ کر لیتی ہے۔ مثلاً جب کہ فرد قرار داد جرم اور شہادتوں کے بعد حکم سزا تم کو سنایا جاتا ہے اور قید کیلئے ایک پولیس مین کے تم حوالے کئے جاتے ہو۔ سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ رات پڑ جاتی ہے اور ایک سخت اندھیرا پڑ جاتا ہے۔ اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز عشا مقرر ہوئی ہے"۔ (۴۶)

یہ پیراگراف مولانا تھانوی کی کتاب میں "وجہِ تعیینِ نمازِ عشاء" کے زیرِ عنوان ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (۴۷) نماز عشاء کے وقت کی تعیین کی علّت مرزا قادیانی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"پھر جب کہ تم ایک مدت تک اس مصیبت کی تاریکی میں بسر کرتے ہو تو پھر آخر خدا کا رحم تم پر جوش مارتا ہے اور تمہیں اس تاریکی سے نجات دیتا ہے۔ مثلاً

جیسے تاریکی کے بعد پھر آخر کار صبح نکلتی ہے اور پھر وہی روشنی دن کی اپنی چمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ سو اس روحانی حالت کے مقابل پر نماز فجر مقرر ہے اور خدا نے تمہارے فطرتی تغیرات میں پانچ حالتیں دیکھ کر پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدے کیلئے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچے رہو تو تم پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہے۔ نماز میں آنے والی بلاؤں کا علاج ہے۔ تم نہیں جانتے کہ نیا دن چڑھنے والا کس قسم کے قضاو قدر تمہارے لئے لائے گا۔ پس قبل اسکے دن چڑھے تم اپنے مولیٰ کی جناب تضرع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے" (۴۸) اس اقتباس سے مماثل تحریر حضرت تھانوی صاحب کی مذکورہ بالا کتاب میں ملتی ہے۔ (۴۹) فرق صرف اتنا ہے کہ "مثلاً جیسے" ہٹا کر "اور" لکھ دیا گیا ہے۔ "خدا" کے ساتھ "تعالیٰ" کا اضافہ کر دیا۔ "نماز" کے بجائے "وہ" لایا گیا ہے۔ مرزا قادیانی اور حضرت شاہ اشرف علی تھانوی میں اس قدر مماثلت صرف "کشتی نوح" اور "احکامِ اسلام عقل کی نظر میں" تک محدود نہیں بلکہ مؤخر الذکر کتاب میں مرزا قادیانی کی دیگر کتب کے اقتباسات بھی تلاش کیے جا سکتے ہیں مثلاً عصرِ حاضر کے اسود عنسی یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک تصنیف لطیف "برکات الدعا" ہے جو سر سید احمد خان (۵۰) کے خیالات کے رد میں نام نہاد مجددِ زمان و مسیحِ دوران" نے رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ میں مطبع ریاضِ ہند قادیان میں باہتمام شیخ نور احمد طبع کرائی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں قاضی محمد نذیر ناظر اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے استقلال پریس لاہور سے طبع کرایا۔ اس سے درجِ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''اگر چہ دنیا کی کوئی خیر وشر مقدر سے خالی نہیں' تاہم قدرت نے اس کے حصول کیلئے ایسے اسباب مقرر کر رکھے ہیں اس جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقل مند کو کلام نہیں مثلاً اگر چہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا' نہ کرنا در حقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا۔ مگر کیا سید صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ مثلاً علم طلب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی دواؤں میں کچھ اثر نہیں رکھا..........

کیا سید صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور جب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھے کہ ان کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جائیں یا مثلاً سم الفار اور بلیش اور دوسرے ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو'' (۵۱)

مذکورہ بالا اقتباس مولانا تھانوی کی کتاب ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' کے حصہ اول میں ''حقیقت دعا وقضا'' کے عنوان کے تحت صفحہ ۸۴ پر درج ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ''سید صاحب'' کی جگہ ''کوئی'' کر دیا گیا ہے۔ اسے ''سرقہ'' کہیں یا مماثلت' کسی ایک کی بددیانتی گردانیں یا دونوں کی ایک ہی سرچشمہ سے فیض یابی' اتنی بات تو یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ بغیر حوالہ دیے کسی کے نتیجہ فکر کو ''اپنا'' بنا کر پیش کیا گیا ہے جو اخلاق اقدار کے عنقا ہونے کی دلیل ہے۔

تھانوی صاحب کی مذکورہ کتاب اور ''برکات الدعا'' میں لفظی و معنوی یکسانیت کی ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل سطور ''برکات الدعا'' سے ملاحظہ فرمائیں۔

''میں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے؟ یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر پر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضائع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو یہ جسمانی اور روحانی اسباب بھی تقدیر سے باہر نہیں ہیں۔

مثلاً ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آجاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کیلئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے' یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے۔ یعنی دعا کیلئے بھی تمام اسباب وشرائط قبولیت' اسی جگہ جمع وتے ہیں جہاں ارادہ الٰہی اس کے قبول کرنے کا ہے'' (۵۲)۔

چونکہ مرزا قادیانی نے ان سطور میں' اپنی خودساختہ نبوت کے اظہار کیلئے صیغہ واحد متکلم ''میں'' استعمال کیا تھا' حضرت تھانوی صاحب نے صیغہ جمع متکلم استعمال کرتے ہوئے اسے ''ہم'' سے بدل دیا۔ (۵۲)

مولانا تھانوی صاحب کی مذکورہ کتاب کے حصہ دوم کے باب الطلاق میں درج ذیل طویل اقتباس بھی مرزا قادیانی کی تصنیف ''آریہ دھرم'' میں حرف بحرف موجود ہے۔

''مسلمانوں میں نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں مرد کی طرف سے اسلام اور مہر اور تعہد نان ونفقہ وحسن معاشرت شرط ہے اور عورت کی طرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری کے عہد وشرائط ضروریہ ہیں اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے فسخ ہو جاتے ہیں' ایسا ہی یہ

معاہدہ شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود نکاح توڑنے کی مجاز نہیں جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح توڑ سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کرا سکتی ہے اور یہ کمی اختیار اس کی فطرتی شتابکاری اور نقصان عقل کی وجہ سے ہے لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے معاہدہ نکاح باندھ سکتا ہے' ایسا ہی عورت کی طرف سے شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار ہے۔ سو یہ قانون فطرتی قانون سے جو عنقریب مذکور ہوتا ہے' مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے' گویا کہ اس فطری قانون کی عکسی تصویر ہے کیونکہ فطری قانون سے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہر ایک معاہدہ شرائط قرار داد کے فوت ہونے سے قابل فسخ ہو جاتا ہے اور اگر فریق ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اس فریق پر ظلم کر رہا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا ہے۔ سو جب ہم سوچیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ شرائط کے نیچے دو انسانوں کی زندگی بسر کرنا ہے اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کی رو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اور اسی محرومی کا نام دوسری لفظوں میں طلاق ہے۔ پس جس مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر کوئی بد اثر پہنچایا' دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت کسی کی منکوحہ ہو کر نکاح کے معاہدہ کو کسی اپنی بد چلنی سے توڑ دے تو وہ اس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو گیا اور سڑ گیا۔ یا اس دانت کی طرح' جس کو کیڑے نے کھا لیا اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام بدن کو ستاتا اور دکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور نہ وہ متعفن عضو حقیقت میں عضو ہے اور سلامتی اس میں ہے کہ اس کو اکھاڑ دیا جاوے اور

کاٹ دیا جائے اور پھینک دیا جاوے۔ یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے۔ عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں ہے جیسے اپنے ہاتھ اور پاؤں کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ پاؤں کسی آفت میں مبتلا ہو جاوے کہ اطبا اور ڈاکٹروں کی رائے اس پر اتفاق کر لے کہ زندگی اس کے کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کوئی ہے کہ ایک جان کو بچانے کیلئے اس کے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو۔ پس اگر ایسا ہی کسی کی منکوحہ اپنی بد چلنی اور کسی شرارت سے اس پر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا ہے اور سڑ گیا ہے اور اب وہ اس کا عضو نہیں ہے۔ اس کو کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینک دے' ایسا نہ ہو کہ اس کا زہر اس کے سارے بدن میں پہنچ جاوے اور تجھے ہلاک کر دے۔ پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کا کوئی پرندہ یا درندہ کھا لے تو اس کو اس سے کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اس وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ اس نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا''۔ (۵۴)

مرزا غلام احمد قادیانی بانی جماعتِ احمدیہ کی ایک تحریر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ نے دسمبر ۱۹۶۲ء میں چھپی تھی جو اس سے قبل پہلی بار ۱۹۵۴ء میں اور دوسری بار ۱۹۵۸ء میں بھی انجمن احمدیہ پاکستان طبع کرا چکی تھی۔ دراصل مرزا قادیانی کی یہ تحریر ''جلسہ اعظم مذاہب'' منعقدہ ٹاؤن ہال لاہور میں عبدالکریم سیالکوٹی نے ۲۸' ۲۹ دسمبر ۱۸۹۶ء میں پڑھی تھی۔ یہ مضمون پہلے رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں من و عن شائع ہوا اور جماعت احمدیہ کی طرف سے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے عنوان کے ماتحت کتابی صورت میں کئی ایڈیشن اردو اور انگریزی زبان میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا ترجمہ عربی فارسی' گجراتی' کیناری' ہندی' گورمکھی' فرانسیسی' ڈچ' سپنش' جرمنی' انڈونیشی' برمی' چینی وغیرہ زبانوں میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ (۵۵) اس میں

مرزا قادیانی نے حرمت خنزیر اس طرح بیان کی:

''اس بات کا کسی کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیّوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے''۔(۵۶)

اب مولانا تھانوی صاحب کی ''احکامِ اسلام عقل کی نظر میں'' کے حصہ سوم میں ''کتاب الاکل والشرب'' کے پہلے عنوان ''وجود حرمت خنزیر'' کی ابتدائی سطور کا مطالعہ فرمایئے اور دونوں تحریروں میں مماثلت خود دیکھ لیجیے:

''اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خوار بے غیرت و دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہوگا۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی ہوگا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے''۔(۵۷)

مولانا صاحب کی یہ عبارت مرزا قادیانی کی مذکورہ بالا تحریر کی نقل ہے۔ دونوں میں بالکل معمولی فرق ہے اور قادیانی صاحب کا یہ مضمون حضرت تھانوی صاحب کی تحریر سے کم از کم ۲۵ برس قبل لکھا گیا تھا۔ مولانا تھانوی صاحب نے

اپنی کتاب کے حصہ سوم میں ''انسان میں قوتِ غضبیہ وحلم وغیرہ کی حکمت'' کے زیر عنوان ڈیڑھ صفحہ مرزا صاحب کی ''نسیم دعوت'' سے نقل کیا ہے۔(۵۸)

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اسی کتاب کے حصہ سوم میں صفحہ ۲۶۲ تا ۲۲۵ پر ''قبور سے تعلق ارواح کا دفع استبعاد'' کے عنوان سے ساڑھے تین صفحات پر بحث کی ہے۔ جس کے سوا تین صفحات مرزا قادیانی کی ایک تحریک سے من و عن نقل ہیں جو اخبار ''الحکم'' قادیان کے صفحات ۲، ۳ پر ۲۳ جنوری ۱۸۹۹ء کو چھپی تھی۔ یہ مسروقہ تحریر درج ذیل ہے۔ ''ارواح کا تعلق قبور سے بھی ہوتا ہے .... جو نفی بقائے روح کرتا ہے''۔(۵۹)

مرزا قادیانی نے یہ تحریر بھی حضرت تھانوی صاحب سے ۶۵ برس قبل رقم کی تھی۔ اس لئے یہ ممکن نہیں دکھائی دیتا کہ قادیانی صاحب نے حکیم الامت حضرت تھانوی صاحب سے یہ مضمون سرقہ کیا ہو۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی صاحب کے نام سے چھپنے والی کتاب میں قادیانی ذرائع سے بہت کچھ نقل کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کو محترم راجا رشید محمود نے بتایا ہے کہ گزشتہ صدی کی اسی کی دہائی میں انہیں بذریعہ ڈاک ایک کتابچہ موصول ہوا جس کا عنوان ''کمالاتِ اشرفیہ'' تھا۔(۶۰) اس میں حضرت تھانوی صاحب کے ''سرقہ'' کو ثابت کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی تصنیف ''اقبال، قائداعظم اور پاکستان'' میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۶۱) کہ کس طرح مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے بعد اس کی ایسی تحریر جس میں کوئی فلاسفی بھی بیان نہیں ہوئی' اتنے بڑے شخص نے اپنے نام کر لی اور اس طرح قادیانی حضرات کو یہ کہنے اور لکھنے کا موقع مل گیا ہے کہ ہمارے بانی سلسلہ کی تحریریں حکمت وفلسفہ سے لبریز تھیں' جس کے باعث اتنے بڑے عالم

نے بھی اسلامی احکام کی عقلی وفلسفیانہ تشریح کیلئے ان پر انحصار کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی۔ راجا صاحب نے مرزا کی مذکورہ بالا کتابیں حاصل کیں اور یہ ان کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہیں۔ انہی نے ماہنامہ ''الہادی'' کا محولہ بالا شمارہ حاصل کیا اور یہ بھی ان کی لائبریری میں موجود ہے۔ میں نے وہیں سے استفادہ کیا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ

۱۔ ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' مولانا اشرف علی تھانوی ہی کی تصنیف ہے۔

۲۔ یہ کتاب حضرت تھانوی صاحب کی زندگی میں طبع ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا اور تیسرا حصہ ماہنامہ ''الہادی'' دہلی میں ھ۱۹۲۵ء میں چھپا جو مولانا موصوف ہی کے افکار کا ترجمان تھا۔

۳۔ اس کتاب کے پہلی بار چھپنے سے قبل مرزا قادیانی ۱۹۰۸ء میں آنجہانی ہو چکے تھے۔

۴۔ اس کتاب میں مرزا قادیانی کی جن کتب سے خوشہ چینی کی گئی ہے ان میں سے برکات الدعاء ۱۸۹۳ء، آریہ دھرم ۱۸۹۵ء، رپورٹ جلسۂ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء اور کشتی نوح ۱۹۰۲ء میں پہلی بار طبع ہو چکی تھیں۔ اس طرح مولانا تھانوی کی زیر نظر کتاب سے برسوں قبل مرزا قادیانی کی مذکورہ بالا کتب چھپ چکی تھیں۔

۵۔ ظاہراً حضرت تھانوی صاحب پر مرزا صاحب کی تحریروں سے سرقہ'' کا الزام ثابت ہوتا ہے لیکن یہ دونوں حضرات کے کسی ایک ہی سرچشمہ سے '' فیض یاب'' ہونے کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا بھی ہوا تو اصل ماٰخذ کا حوالہ نہ دینے کے باعث اسے ''سرقہ'' ہی کہا جائے گا۔

ایم ڈی فاروق کا ''حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سے سرقہ

ایم ڈی فاروق ایڈووکیٹ کی کتاب ''تاریخ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' کے آغاز میں مصنف کی طرف سے ''ہدیۂ عقیدت ومحبت'' کے عنوان سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ''اس خاکسار'' نے تاریخ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق و تصنیف کیلئے انتہائی خلوص اور محنت سے کئی سال کام کیا' لیکن اس کتاب کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو اس میں خلوص اور محنت کے بجائے ''سرقہ'' کی جسارتیں ملتی ہیں۔ مصنف قانون کے شعبہ سے وابستگی کے باوجود مذہبی' اخلاقی اور ملکی کاپی رائٹ ایکٹ سے بے پرواہ ہو کر سیرت طیبہ کے ایسے لٹریچر سے بلاحوالہ وترمیم الفاظ نقل کرتا چلا جاتا ہے حالانکہ وہ اپنی تصنیف پر ''جملہ حقوق محفوظ ہیں'' لکھنا نہیں بھولتا۔ یہاں طوالت سے گریز کرتے ہوئے صرف ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں محوخواب تھے۔ ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں لکھا ہوا ایک ورق تھا' آیا اور اس نے خواب ہی میں یہ ورق کھول کر آپ کے سامنے کیا اور کہا ''اقرأ'' (اسے پڑھیئے) آپ گھبرا گئے اور فرمایا ''ما اقرأ'' (میں پڑھنا نہیں جانتا)۔ فرشتے نے زور سے معانقہ کرتے ہوئے پھر کہا ''اقرأ'' (پڑھیئے) آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈر گئے۔ مبادا پھر معانقہ کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑے۔ اس لئے آپ نے کہا میں کیا پڑھوں؟ فرشتے نے کہا' پڑھ اسی خدا کے نام...... جو اسے معلوم نہ تھیں۔''

''رؤیا ختم ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی اور حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگے کہ میں نے کیا دیکھا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی شے دیکھنے

میں نہ آئی۔ ہراس بڑھتا ہی گیا اور ذرا دیر بعد بدن پر کپکپی سرسرانے لگی۔ جس غار میں واقعہ پیش آیا' اس سے بھی وحشت پیدا ہوگئی۔ ہر قدم یہ خیال گزرتا'' یہ کون تھا'' جس نے مجھے پڑھنے پر یوں مجبور کیا۔ اس قسم کے سوالات دل سے کرتے ہوئے پہاڑوں میں سے ہو کر چلنا شروع کر دیا......... ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ایک شخص کو حرا میں بھیجا مگر آپ وہاں سے تشریف لے آئے تھے۔ تلاش کنندہ ناکام لوٹ آیا۔ ادھر آپ کی یہ کیفیت تھی کہ اگرچہ وحی کے تصور سے روح سراپا انبساط وسرور مگر دل ابھی تک کانپ رہا ہے اور جسم پر کپکپی چھائی ہوئی تھی۔ دولت کدہ پر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا۔'' مجھے جلدی کپڑا اوڑھا دیا جائے۔ بدن پر کپکپی تھی جیسے بخار آ گیا ہو'' ذرا دیر بعد اپنی اہلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا'' اے خدیجہ! یہ کوئی لغزش یا دشمن کی جادوگری کا کرشمہ نہ ہو''۔ (۶۲)

جناب ایم ڈی فاروق نے مندرجہ بالا اقتباس کے آغاز واختتام پر قطعاً کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا کہ یہ تحریر انہوں نے کسی دوسری کتاب سے نقل کی ہے بلکہ نزولِ وحی کے روایتی ذکر میں کہیں کسی کتاب کا ریفرنس نہیں دیا گیا۔ حالانکہ انہوں نے یہ ساری عبارت محمد حسین ہیکل کی کتاب'' حیاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' کے اردو ترجمہ سے '' سرقہ'' کی۔ (۶۳) انہوں نے آیات کا ترجمہ تبدیل کر دیا ہے اور کہیں کہیں کوئی ایک آدھ جملہ حذف بھی کیا ہے لیکن ننانوے فیصد عبارت'' مالِ مسروقہ'' ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔ ایک جگہ اپنا جملہ گھسیڑنا چاہا تو حال یہ ہوگیا'' دل ابھی تک کانپ رہا ہے اور جسم پر کپکپی چھائی ہوئی تھی''۔ دراصل جلد مصنف بن جانے کا شوق عود کر آئے تو دوسروں کی تحریریں ہی اپنے نام کر کے اس کی تسکین ممکن ہوتی ہے۔ راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ

اگر وہ اس کتاب کا حوالہ درج کر کے بھی یہ سب کچھ لکھ دیتے تو کتاب کی قدر وقیمت میں ہرگز کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔ اس کے بعد بھی انہوں نے محمد حسین ہیکل کی کتاب کے اردو ترجمہ سے بہت کچھ چرایا ہے۔ جس کو یہاں طوالت کے باعث نقل کرنا مناسب نہیں۔ یہ دونوں کتابیں'' ماہنامہ نعت'' لاہور کے دفتر میں واقع'' نعت لائبریری'' میں موجود ہیں۔

راقم الحروف کے مقالات پر بیباکانہ ڈاکا

راقم الحروف کے تحقیقی مقالات سے مختلف اہلِ قلم سے بڑی فراخدلی سے خوشہ چینی کی ہے بلکہ بعض نام نہاد محققین نے تو من وعن نقل کر کے اپنی تصانیف کے باب بنا لیے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی کے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں ان تین مقالات کے سرقہ کا سراغ لگایا گیا ہے۔

۱۔ یومِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطبوعہ ماہنامہ نعت لاہور۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حصہ اول) و ماہنامہ ضیائے حرم لاہور۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ مقدس کتب کی بشارت' مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور۔ میلاد النبی ﷺ نمبر

۳۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاد اسلامیہ میں مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور و ماہنامہ نور الحبیب بصیر پور

محمد اسمٰعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ ناموسِ رسالت کے حوالہ سے مقدمہ بازی میں بڑا نام پیدا کر چکے ہیں انہوں نے'' ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قانونِ توہینِ رسالت ﷺ'' نامی کتاب بھی لکھنے کی سعادت

حاصل کی ہے۔ اس میں باب پنجم میں سپین میں تحریکِ شماتتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے ۱۴ صفحات راقم الحروف کے مقالہ ''شماتتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوششیں اور مسلمان حکمران'' سے حرف بحرف نقل کیے ہیں۔ (۶۴) متن میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا کہ یہ ساری تحقیق انہوں نے کہاں سے نقل کی ہے بلکہ حواشی کیلئے ۱......۱۶ نمبر بھی لگائے گئے ہیں۔ لیکن حواشی میں ۱......۱۶ نمبروں کے حواشی نہیں لکھے گئے۔ البتہ اس کے بعد میرا ادھورا نام اور اسپین میں تحریکِ شماتتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' لکھا ہے۔ جس سے بالکل واضح نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب یا رسالے کا نام ہے یا کسی مضمون کا عنوان ہے؟ اس سے کوئی محقق اصل مقالہ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ حواشی میں انہوں نے لکھا ہے ''مطالعہ مزید: جریدہ ''شہیدان ناموس رسالتؐ'' زیرادارت راجا رشید محمود'' (۶۵) اصل بات یہ ہے کہ راقم کا مذکورہ بالا مضمون ماہنامہ نعت لاہور کے خاص شمارہ بعنوان ''تحفظِ ناموسِ رسالت'' (حصہ پنجم) میں شائع ہوا تھا۔ (۶۶) جو کہ راجا رشید محمود کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ وکیل موصوف نے کافی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی کہ ''سرقہ'' کا علم نہ ہوسکے اور راقم کا ادھورا نام اور مبہم حوالہ کاپی رائٹ کے قانون کی زد سے بچنے کیلئے لکھا ہے۔ لیکن نہ صرف ان کا سرقہ ثابت ہوتا ہے بلکہ ریفرنس کے اندراج میں بددیانتی اور دھوکہ دہی بھی عیاں ہوتی ہے۔

ایک اور شیعہ مؤلف نے قریباً ۲۰ جلدوں میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتب کی ہے۔ ان کا نام طالب حسین کرپالوی ہے اور ایک اطلاع کے مطابق فسادات کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے میرا مقالہ ''یومِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' مکمل طور پر نعت سے نقل کیا تھا لیکن اس کے متن

میں راقم الحروف کا حوالہ دیا تھا۔ اب مزید انکشاف یہ ہوا کہ انہوں نے میرے دو اور مضامین بھی ڈکار لئے تھے جو ماہنامہ نعت لاہور کے شماروں ''غیر مسلموں کی نعت'' حصہ اول وسوم میں شائع ہوئے تھے۔ انہیں عنوانات سمیت بلاحوالہ اپنالیا گیا ہے۔

۱۔ غیروں میں مقبول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۶۷)

۲۔ غیر مسلم اور سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۶۸)

ہمارے جیسے اسلامی ملک میں جس طرح اخلاقی اقدار پامال ہو چکی ہیں۔ دوسروں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی کسی کو پروا نہیں۔ دزدیدہ تحریروں اور تحقیقِ مسروقہ پر مبنی کتب سرعام طبع ہو رہی ہیں اور رائلٹی کے ذریعے ایسے ''ڈاکو'' جیبیں بھی بھر رہے ہیں اور بغیر محنت عزت وشہرت بھی کما رہے ہیں۔ حکومت وقت کا فرض بنتا ہے کہ کاپی رائٹ ایکٹ میں ضروری ترامیم کر کے اسے موثر بنائے اور سارقین کو کڑی سزائیں دے تاکہ اخلاقی اقدار کی پامالی کی اس بے دھڑک جسارت کا سدباب ہو سکے۔

ادارتی نوٹ: ڈاکٹر محمد سلطان شاہ نے شاید طالب حسین کرپالوی مرحوم کی کتاب کی دوسری جلدیں نہیں دیکھیں۔ وہ ہر جلد کے ''مؤلف'' ہیں ان میں سے کسی میں بھی ان کی شاید اپنی کوئی تحریر نہیں۔ وہ صفحوں پر صفحے نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور آخر میں کہیں کہیں بریکٹ میں کسی ماخذ کا نام بھی لکھ دیتے ہیں۔ ان کی ایسی کاوشوں کے مکمل تجزیے کیلئے کئی سو صفحات درکار ہونگے۔ صرف ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر جلد نمبر ۱۵ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ صفحہ ۲۰ تا ۳۰ ۔ ماہنامہ ''نعت'' سے لئے ہیں۔ صرف صفحہ ۳۰ پر

بریکٹ میں ''رسالہ نعت'' لکھا ہے۔

۲۔ صفحہ ۴۲ تا ۴۴۔ علامہ ضیاء القادری مرحوم کا مضمون ''قبۂ مولد النبی ﷺ'' من وعن نقل کر کے آخر میں رسالہ ''نعت'' ص ۵۷ لکھ دیا گیا۔ نہ یہ لکھا گیا کہ رسالہ نومبر ۱۹۸۸ء کا تھا' اور نہ مضمون نگار کا نام دیا گیا۔

۳۔ میرے مضمون ''محافلِ میلاد'' مشمولہ ماہنامہ ''نعت'' نومبر ۱۹۸۸ء (میلاد النبی ﷺ) حصہ دوم کا تیا پانچا یوں کیا کہ شروع میں ''جناب راجا رشید محمود صاحب تحریر فرماتے ہیں'' لکھنے کے بعد جگہ جگہ میرے مضمون میں شامل کتابوں اور جرائد وغیرہ کے حوالے اس طرح لکھے گئے ہیں جیسے پہلے چند پیراگراف تو رشید کے ہیں' باقی اقتباسات کرپالوی صاحب نے خود جمع کئے ہیں (ص ۴۴ تا ۵۴)

۴۔ ماہنامہ نعت (اکتوبر ۸۸۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حصہ اول) میں ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی کی کتاب ''علموا اولادکم محبتہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے متعلقہ حصے کا ترجمہ محمد طفیل ضیغم سے کروا کے شائع کیا گیا تھا۔ اور قاضی عبدالنبی کوکب کا ایک مضمون ''پیغامِ میلاد'' شائع کیا گیا تھا۔ نیز ''ظہورِ قدسی'' کے حوالے سے بہت سے نامور اہلِ قلم کے اقتباسات ''نعتیہ نثر پارے'' کے نام سے اکتوبر اور نومبر ۱۹۸۸ء کے ان خاص نمبروں میں شامل تھے۔ کرپالوی صاحب نے ''چند نثر پارے'' کے عنوان سے ڈاکٹر عبدہٗ یمانی (مترجم کا نام نہیں لکھا) قاضی عبدالنبی کوکب اور دوسرے اہل قلم کے نثر پارے نقل کر لیے ہیں (صفحہ ۵۷ تا ۱۰۷)

.........اور پتا نہیں کیا کیا۔

ان کے اس ''تحقیقی کام'' پر چند آرا بھی اربابِ علم کے تفننِ طبع کا باعث ہوں گی:

''.....کرپالوی کے تحقیقی کام سے میں بہت خوش ہوں'' سید ابوالقاسم الخوئی' نجف اشرف

''.....کرپالوی کے تحقیقی کام نے علماءِ برصغیر کی یاد تازہ کر دی'' سید شہاب الدین المرعشی

''.....کرپالوی کا شمار علماءِ محققین میں ہوتا ہے'' حسن الحائری۔ کویت

''.....کرپالوی کی تالیفات عمدہ اور تحقیقی ہیں'' سید ناصر مکارم شیرازی' قم / سید رضا خلخالی۔ نجف

''اس عالم شباب میں اتنی زیادہ کتب تالیف کر لینا تائیدِ ایزدی اور رضائے معصومین کے بغیر بہت مشکل ہے'' طالب جوہری۔ کراچی

''.....کرپالوی ایک مجاہد اور محقق نوجوان ہیں'' سید عارف حسین الحسینی۔ پارہ چنار

''اپنے علمی و تحقیقی کام کی وجہ سے شاباش کے مستحق ہیں''۔ سید صفدر حسین نجفی۔

(مدیرِ نعت)

حواشی:

۱۔ علی ہجویری' حضرت داتا گنج بخش۔ کشف المحجوب۔ (مترجم علامہ فضل الدین گوہر) ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' ۱۹۸۳ء' ص ۵۶

۲۔ مہر وماہ (ماہنامہ) لاہور' خاص نمبر ''یادگارِ مُوسٰی'' جلد ۴۷۔ شمارہ ۱۔۲ (جنوری فروری ۲۰۰۰) ص ۱۳۱

۳۔ انور جمال۔ ادبی اصطلاحات نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ص ۱۳۱ ۱۹۹۳ء۔ ص ۳۴، ۶۶

4- Webster`s Fncyclopedic unabridged Dictionary of English Language, Gramercy Books, 1989, P.1100.

4(a)- The Encyclopaedia Britannica (Micropaedia), The University Of chicago, 15th edition, vol. P.492.

۵۔ علی ہجویری، حضرت داتا گنج بخش، کشف المحجوب (اردو ترجمہ علامہ فضل الدین گوہر) ص ۵۶

۵۔الف۔ اعجاز راہی (مرتب)۔ تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات پر منتخب مقالات۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۶

۶۔ ابن ندیم وراق، محمد بن اسحٰق۔ الفہرست (مترجم محمد اسحٰق بھٹی) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور۔ ۱۹۹۰ء ص ۳۹۷

۷۔ ایضاً ص ۳۹۶

۸۔ ایضاً ص ۳۹۷

۹۔ ایضاً ص ۳۴۸

۱۰۔ ایضاً ص ۳۳۹، ۳۴۰

۱۱۔ ماہنامہ "نعت" لاہور جلد ۹، شمارہ ۱۰ (جنوری ۱۹۹۶ء) ص ۷، ۸

۱۲۔ لطف بریلوی کا ذکر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر ریاض مجید اور ڈاکٹر مظفر جاوید صدیقی کے پی ایچ ڈی کے مقالات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۳۔ نعت (ماہنامہ) لاہور۔ جلد ۹، شمارہ ۹ (ستمبر ۱۹۹۶)۔ نعت نمبر (حصہ دوم) ص ۳۳۵

۱۴۔ مہر و ماہ (ماہنامہ) لاہو۔ خاص نمبر "یادگارِ موسیٰ" جلد ۷، شمارہ ۱۔۲ (جنوری فروری ۲۰۰۰ء)

ص ۱۳۱

۱۵۔ راجا رشید محمود۔ اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔ جلد اول۔ ماہنامہ نعت۔ جلد ۹، شمارہ ۳ (مارچ ۱۹۹۶ء) ص ۲۱۸

۱۶۔ ایضاً۔ ص ۲۱۹

۱۷۔ علی ہجویری، داتا گنج بخش۔ کشف المحجوب۔ (مترجم علامہ فضل الدین گوہر) ص ۵۶

۱۸۔ مہر و ماہ (ماہنامہ) لاہور۔ خاص نمبر "یادگارِ موسیٰ"۔ ص ۱۳۵

۱۹۔ روزنامہ خبریں لاہور۔ ۴ ستمبر ۱۹۹۷ء۔ اشاعتِ خاص "ادب"

۲۰۔ محمد موسیٰ امرتسری، حکیم۔ مقدمہ کشف المحجوب۔ مترجم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

۲۱۔ محمد سلطان شاہ، سید۔ یومِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ۔ ص ۳۹۔ وطن پبلشرز لاہور۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء

۲۱۔ الف۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ انفاس العارفین (ترجمہ از حکیم محمد اصغر اطہر فاروقی) نوری بک ڈپو لاہور۔ س ن

۲۲۔ ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور۔ اپریل، مئی ۱۹۹۹ء ص ۵۴۸

۲۳۔ اعجاز راہی (مرتب)۔ تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات پر منتخب مقالات۔ ص ۱۵۵

۲۳ (الف)۔ عمر فاروق غازی کرنل (ر) ڈاکٹر۔ تحقیق کے اصول وضوابط۔ احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں۔ فاران کمیونی کیشنز، لاہور۔ اگست ۱۹۹۸ء ص ۸۲

۲۳ (ب)۔ ایضاً۔ ص ۹۰۔۹۳

۲۴۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر۔ ادبی تحقیق کے اصول۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ ص ۱۳۰۔۱۳۱

۲۵۔ ایضاً۔ ص ۱۳۴

۲۶۔ ممتاز لیاقت۔ بکف چراغ دارد۔ مکتبہ میزان الادب۔ ۱۱۔ ایبک روڈ لاہور ۱۹۶۷ء۔ ص ۱۴۳۔۱۴۴

۲۷۔ ایضاً۔ ص ۱۴۲

۲۸۔ایضاً۔ص ۶
۲۹۔ایضاً۔ص ۸۔۱۱۰
۳۰۔ایضاً۔ص ۶
۳۱۔ایضاً۔ص ۱۱۲۔۱۳۱
۳۲۔The Nation Lahore, May 16, 2000, P 7
۳۳۔ماہنامہ نعت لاہور۔جلد ۱۱ شمارہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۸ (ماہنامہ نعت کے دس سال) ص ۲۶
۳۴۔راجا رشید محمود۔اُردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔حصہ اول۔مارچ ۱۹۹۶۔ص ۴۴
۳۵۔ایضاً۔ص ۴۵
۳۶۔ماہنامہ نعت لاہور۔جلد ۸ شمارہ ۵۔مئی ۱۹۹۵ء (نعت کیا ہے؟ حصہ سوم) ص ۹۸
۳۷۔تھانوی، مولانا اشرف علی۔احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔دار الاشاعت مقابل مولوی کتب خانہ کراچی۔(ابتدائیہ بعنوان "ناشر کی طرف سے" از محمد رضی عثمانی) ۱۹۷۸ء ص ۳
۳۸۔الہادی (ماہنامہ) دہلی۔جلد ۱، نمبر ۱۲ (ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ) صفحہ ۱۶ اور ۱۷ کے درمیان ۴ صفحات الف تا د سرخ رنگ کے موجود ہیں۔آخری ورق کے دونوں صفحات سرخ کاغذ پر سرورق کی طرح سرخ رنگ کے کاغذ پر مشتمل ہیں جن پر ایڈیٹر نے "عرضِ مدیر" کے زیرِ عنوان بھی پہلے حصے کے کتابی شکل میں چھپ جائے، دوسرے کے رسالہ میں مکمل ہو جانے اور حصہ سوم کے آئندہ میں (رسالہ مدیر نعت راجا رشید محمود کے ذاتی ذخیرۂ۔۔۔کتب میں موجود ہے۔
۳۹۔ایضاً۔ص ۲۸
۳۹ (الف)۔ناشر کتب خانہ جمیلی۔۸۰۔ڈی۔ماڈل ٹاؤن لاہور
۴۰۔محمد سلطان شاہ، سید۔بھٹو اور قادیانی مسئلہ۔جنگ پبلشرز لاہور۔اگست ۱۹۹۳۔ص ۲۱
۴۱۔تھانوی، مولانا اشرف علی، احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۸ء ص ۴۹
۴۲۔قادیانی، مرزا غلام احمد۔کشتیِ نوح۔نظارتِ اشاعت لٹریچر و تصنیف۔صدر انجمن احمدیہ

پاکستان ربوہ۔ص ۹۲۔اس رسالہ کا دوسرا نام "دعوت الایمان" اور تیسرا نام "تقویۃ الایمان" بھی اندرونی سرورق پر لکھا گیا ہے۔
۴۳۔تھانوی، مولانا اشرف علی۔احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔ص ۵۰
۴۴۔قادیانی، مرزا غلام احمد۔کشتیِ نوح۔ص ۹۲
۴۵۔تھانوی، مولانا اشرف علی، احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔ص ۵۰/ مرزا قادیانی۔کشتی نوح۔ص ۹۲، ۹۳
۴۶۔قادیانی، مرزا غلام احمد۔کشتی نوح۔ص ۹۳
۴۷۔تھانوی، مولانا اشرف علی۔احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔ص ۵۰، ۵۱
۴۸۔قادیانی، مرزا غلام احمد۔کشتی نوح۔ص ۹۳، ۹۴
۴۹۔تھانوی، اشرف علی۔احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔ص ۵۱
۵۰۔
۵۱۔قادیانی، مرزا غلام احمد۔برکات الدعا۔نظارت اصلاح و ارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۱۹۶۸ء ص ۷۶
۵۲۔ایضاً۔ص ۱۰، ۱۱
۵۳۔ملاحظہ ہو احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔ص ۸۴، ۸۵
۵۴۔تھانوی، مولانا اشرف علی۔احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔ص ۱۵۷، ۱۵۸/ قادیانی، مرزا غلام احمد۔آریہ دھرم۔مطبوعہ قادیان۔۱۸۹۵ء۔ص ۳۲، ۳۳
۵۵۔قادیانی، مرزا غلام احمد۔اسلامی اصول کی فلاسفی۔الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ ۱۹۶۲ء ص ۱۶
۵۶۔ایضاً۔ص ۵۱
۵۷۔تھانوی، مولانا اشرف علی۔احکامِ اسلام عقل کی نظر میں۔ص ۲۰۴
۵۸۔ایضاً۔ص ۲۲۳، ۲۲۴/ مرزا غلام احمد۔نسیمِ دعوت۔ص ۶۹، ۷۰

۵۹۔ اخبار ''الحکم'' قادیان ۲۳ جنوری ۱۸۹۹ء ص ۲، ۳

۶۰۔ عبداللہ ایمن زئی۔ کمالاتِ اشرفیہ۔ مطبوعہ پرنٹنگ ان پریس لاہور۔ س ن (راجا رشید محمود نے ''الفضل ربوہ مورخہ ۵ مئی ۱۹۸۳ء ہفت روزہ ''لاہور'' ۲۱ مئی ۱۹۸۳ء ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور۔ ۲۹ جولائی ۱۹۸۳ء اور ہفت روزہ ''لاہور'' ۲۔ اگست ۱۹۸۳ء کے حوالے بھی دیے ہیں۔

۶۱۔ رشید محمود، راجا۔ اقبال، قائداعظم اور پاکستان۔ نذیر سنز پبلشرز۔ اردو بازار لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۵۷

۶۲۔ فاروق، ایم ڈی ایڈووکیٹ۔ تاریخ محمد ﷺ۔ ادارۃ اشاعت القرآن و تاریخِ اسلام (ہسٹری سنٹر) ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۹۹۳ء ص ۲۳۱، ۲۳۲

۶۳۔ ہیکل، محمد حسین۔ حیاتِ محمد ﷺ (مترجم ابو یحییٰ امام خان) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ لاہور۔ ۱۹۸۸ء ص ۱۴۸، ۱۴۹

۶۴۔ محمد اسمٰعیل قریشی۔ ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت۔ الفیصل ناشران و تاجران کتب اُردو بازار لاہور۔ جولائی ۱۹۹۴ء۔ ص ۳۰۴۔ ۳۱۷

۶۵۔ ایضاً۔ حواشی باب پنجم

۶۶۔ ماہنامہ ''نعت'' لاہور۔ جلد ۴، شمارہ ۵ (مئی ۱۹۹۱ء) ص ۷۔ ۳۳

۶۷۔ کرپانوی، طالب حسین۔ سیرت النبی ﷺ۔ حصہ چہارم (ہندوؤں اور سکھوں کی نظر میں۔ اسلامیہ دار التبلیغ گلبرگ ۱۳ لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۶۔ ۸

۶۸۔ اس مقالہ کو کرپالوی صاحب دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آدھا ان کتاب سیرت النبی ﷺ کے حصہ دوم میں ص ۱۲۔ ۱۹ ''سیرت النبی ﷺ مغربی مفکرین کی نظر'' کے تحت نقل کیا گیا ہے۔ حوالہ جات نقل نہیں کئے گئے اور نہ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے یہ مواد کہاں سے حاصل کیا ہے۔ یہ جلد نومبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ باقی جلد دوم میں ص ۱۶۔ ۲۷ من وعن ریفرنس کے بغیر کتاب میں شامل کیا گیا ہے جو اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی تھی۔

حصّہ سوم

جامعات کے تحقیقی مقالات پر ایک ناقدانہ نظر

شیخ علی طنطاوی کے مطابق جینیس ایسی جگہ پیدا ہوتے ہیں جہاں ان کے ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (۱) بعض اہلِ علم نے کسی مدرسہ یا دانش گاہ کی رسمی تعلیم یا سند کے بغیر ہی اس قدر علمی و ادبی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ جامعات سے اعلیٰ ترین ڈگریوں کے حامل ان کے کام کا عُشرِ عشیر بھی نہ کر سکے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دانش گاہیں سکالرز پیدا نہیں کرتیں، وہاں سے تحقیق و تدوین کا کام کرنے والے نہیں نکلتے، یا اعلیٰ ادب تخلیق کرنے والے برآمد نہیں ہوتے۔ عصرِ حاضر میں جب دینی مدارس تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے سے عاری ہو گئے اور خانقاہی نظام پر نا اہل، علم سے کورے اور دین و دنیا سے بے خبر طبقہ کا قبضہ ہو گیا تو علم و آگہی اور روحانیت کو ان مراکزِ رُشد و ہدایت سے رخصت کر دیا گیا اور تبلیغ دین، فروغ علم، تصنیف و تالیف اور روحانی تربیت کا فریضہ سرانجام دینے والے نفوسِ قدسیہ کے صاحبانِ سجّادہ عارفِ خودی حضرت علامہ اقبالؒ کے اس مصرعے کی عملی تصویر بن گئے۔

زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن

ان حالات میں جب عوام الناس کا مدرسہ و خانقاہ سے اعتماد اٹھ گیا تو دانش گاہوں کی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی۔ اب تدریس، تحقیق اور تدوین کے امور جامعات کے ذمے ٹھہرے لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں اولاً تو یونیورسٹیاں ہی

بہت کم ہیں جہاں تدریس وتحقیق کا کام ہوتا ہے۔ ہمارے برعکس جاپان میں ایک ہزار یونیورسٹیاں ہیں۔(۲) اس لیے وہاں ہر شعبہ زندگی میں ترقی کی رفتار انتہائی تیز ہے۔ ثانیاً ہماری یونیورسٹیاں اولیول کالج اور ہائی سکول بن کر رہ گئی ہیں جہاں صرف تدریس کا فریضہ بڑی مشکل سے سرانجام پاتا ہے۔

یونیورسٹی کے اساتذہ تحقیق کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ وفاقی وزیر سائنس و ٹیکنالوجی ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کے بقول ہماری یونیورسٹیاں ریسرچ اور پی ایچ ڈی ڈاکٹر پیدا نہیں کر رہیں۔ بھارت میں ہر سال پانچ ہزار پی ایچ ڈی نکلتے ہیں، ہمارے ہاں ایک سال میں صرف ۵۰ نکلتے ہیں۔ وفاقی وزیر کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں صرف ۲۷۰۰ پی ایچ ڈی ہیں جبکہ مصر کی ایک یونیورسٹی میں اتنی تعداد میں پی ایچ ڈی ڈاکٹرز اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کا یہ جملہ ہماری جامعات کے اربابِ اختیار کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ جو یونیورسٹی پی ایچ ڈی پیدا نہ کرے، وہ یونیورسٹی کہلانے کی حق دار ہی نہیں(۳)۔ لیکن ہمارے ہاں ڈاکٹریٹ کا سوچنے والوں کا جو حشر ہوتا ہے اور جس طرح ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، وہ پی ایچ ڈی ڈاکٹرز کی تعداد میں اضافہ کی بجائے کمی کا باعث بن رہی ہے۔ یونیورسٹی کے تحقیق کا جذبہ رکھنے والے چند پروفیسر صاحبان کو چھوڑ کر، دیگر خواتین و حضرات تحقیقی کام کا جذبہ رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی سے کتراتے ہیں کیونکہ حکومت یا یونیورسٹی اس کام کے لیے انہیں کوئی معاوضہ بھی نہیں دیتی۔

پی ایچ ڈی کے نگرانوں کے رویّہ سے قطع نظر ہمارے ہاں اس منزل کی طرف گامزن ہونے والوں کا بھی فقدان ہے۔ یہ اعلیٰ ترین ڈگری حاصل کرنے

کے متمنی اپنی کمزوریوں، سہل طلبی اور شارٹ کٹ طریقہ اختیار کرنے کا ذکر نہیں کرتے اور ہمیشہ یونیورسٹی کے اساتذہ کو ہی معتوب ٹھہراتے ہیں۔ راقم الحروف کا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر ایک شخص میں تحقیقی کام کی اہلیت ہو تو کسی نہ کسی یونیورسٹی میں اسے کوئی کام کی قدر کرنے والا نگران مل ہی جاتا ہے۔

یاد ش بخیر ایک دور تھا کہ مسلمان تحقیق وتجسّس کے جذبے سے سرشار تھا۔ وہ حصول علم کو اپنا فریضہ گردانتا تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے مسافت کی صعوبتیں جھیلتا تھا لیکن آج ہم نے تلاش حق کے لیے جانکاہی سے اِعراض کر لیا۔ علم سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور اپنے اسلاف کے ''سچے موتی'' تک محفوظ نہ رکھ سکے جن کی چمک سے آج بھی مغرب کے کتب خانے منور دکھائی دیتے ہیں۔

آج ثنویت اور تثلیث کے ماننے والے، سنگ وگل کے تراشے ہوئے اصنام کے حضور پیشانی ٹیکنے والے اور کسی خالق کے بغیر اس دنیا کے وجود کو تسلیم کرنے والے تحقیق کی دنیا میں اپنا لوہا منوا رہے ہیں اور ہم ''تفکّر وتدبّر'' کے الُوہی حکم کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں۔ مجھے روزنامہ ''خبریں'' میں چھپنے والی اس خبر نے چونکا دیا کہ بھارت میں پال راج نامی نے ریاضی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی ہے جو کوٹائی سنٹرل جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔ جب وہ جیل میں قید ہوا تو اس وقت وہ بی اے کا طالب علم تھا۔ اس نے ریاضی میں ایم ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ اور قانون کی ڈگری بھی حاصل کی جس میں یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کرنے کا اعزاز بھی اس کے حصے میں آیا(۴)۔ کیا ہماری اسلامی مملکت میں کسی خدا پرست نے اپنی قید کے دوران کوئی ایسی مثال قائم کی ہے حالانکہ ہمیں مہد سے لحد تک علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہماری یونیورسٹی

اساتذہ کی ایک بڑی تعداد ساری عمر یونیورسٹی میں گذار دینے بلکہ بعض اوقات تو پی ایچ ڈی کی رجسٹریشن ہو جانے کے باوجود ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے محروم رہتی ہے۔ دراصل ان میں تحقیقی ذوق کا فُقدان ہوتا ہے۔ جو ایک خشک اور صبر آزما کام تصور کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کے الفاظ قابلِ غور ہیں:

''جس طرح ہر محقق اچھا معلّم یا اچھا استاد نہیں ہو سکتا، اسی طرح یہ ضروری نہیں کہ ہر استاد بالخصوص نقاد، اچھا محقق بھی ہو۔ جب وہ خود تحقیق میں ممتاز مقام نہیں رکھتا تو وہ تحقیق کا نگران یا رہنما ہونے کا کب سزاوار ہے'' (۵)۔

حالانکہ ڈاکٹر وحید قریشی کے مطابق تحقیق ایک استاد کو مستعد، متحرک، فعال اور جدید معلومات سے باخبر رکھنے کا وسیلہ ہے (۶)۔

پاکستان میں تحقیق و تدوین کا کام انتہائی سست روی سے ہو رہا ہے۔ اگر ہم اپنی جامعات میں لکھے گئے مقالات کا موازنہ بیرونی دنیا سے کریں تو حجم اور معیار کے لحاظ سے ہم اس مقام سے بہت پیچھے دکھائی دیں گے جہاں ہمیں ہونا چاہیے تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایم اے کی سطح پر اُسلوبِ تحقیق سکھایا نہیں جاتا۔ ایم اے کی ڈگری حاصل کر لینے کے باوجود ایک طالب علم تحقیق کے طریقِ کار سے بے خبر رہتا ہے۔ البتہ اب بعض جامعات نے ماسٹر کی سطح پر تحقیق کے طریق کار کی تدریس کا اہتمام کیا ہے جس کے بہتر نتائج نکلنے کی امید کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس پرچے کو پڑھانے والے خود بحرِ تحقیق کے غوّاص ہوں۔ آج کل ایم اے کی سطح کے مقالہ میں تحقیق بہت کم اور نقل بہت زیادہ نظر آتی ہے۔

راقم الحروف نے ایک دفعہ خود ماسٹر ڈگری کے حصول کے لیے لکھے گئے مقالہ کی حقیقت جب مقالہ نگار سے سُنی، تو انگشت بدندان رہ گیا۔ موصوف نے صرف

ابتدائی تین چار صفحات تبدیل کر کے کوئی پندرہ بیس برس قبل لکھے گئے مقالہ کی نقل پیش کر دی اور سو میں سے ۸۵ نمبر حاصل کر لیے اور جنہوں نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے یہ کام خود کیا تھا، اس سے زیادہ نمبر نہ حاصل کر سکے۔ ایسا ہی ایک واقعہ سیّد سجّاد رضوی مرحوم بھی سنایا کرتے تھے۔ جب وہ بیروت میں پڑھاتے تھے تو پاکستانی صحافت سے متعلق ایک طالب علم کو پورا مقالہ انہوں نے بغیر کسی کتاب کے املا کرا دیا تھا۔ جس میں تمام کتب، رسائل اور اخبارات کے علاوہ، مصنفین اور پبلیشرز کے نام یعنی سب کچھ ان کی ذہنی اختراع تھا لیکن ممتحن یا نگران نے رضوی صاحب سے جب اس مقالہ کی تعریف کی تو وہ زیرِ لب مسکرا دیئے۔ انہوں نے پروفیسر صاحب کو حقیقت سے آگاہ کرنا چاہا مگر وہ اتنی بڑی جعلسازی کو تسلیم کرنے پر بالکل آمادہ نہ ہوئے۔ رضوی صاحب پاکستانی احباب کو اپنی روایتی بذلہ سنجی کے باعث یہ لطیفہ سنا کر خوب ہنسایا کرتے تھے۔

اس کا سدِّباب اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ پی ایچ ڈی کا امیدوار اپنے مقالہ کے شروع میں ایک حلف نامہ (Declaration) دے کہ اس نے اس سے قبل اس مقالہ پر کوئی ڈگری حاصل نہیں کی اور نہ آئندہ ایسا کرے گا۔ جامعہ پنجاب کے پی ایچ ڈی کے قواعد وضوابط (Regulations) میں شق نمبر 10 میں ہر امیدوار کو ایسا کرنے کے لیے ہدایت کی گئی ہے اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بھی ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے اجرا کے قواعد وضوابط میں آرٹیکل نمبر 5(b) میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ تھیس حقیقی تحقیقی کام (Original Research Work) پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں ہر شعبے کی طرح اس اعلیٰ ترین ڈگری کے متمنی بھی اخلاقی اقدار کو پامال کرتے ہیں۔ وہ ایم

اے یا ایم فل میں لکھے گئے مقالہ کو ضروری ترامیم اور توسیع کے ساتھ ڈاکٹریٹ کے لیے پیش کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، دوسروں کی تحقیق سرقہ بھی کرنے سے باز نہیں آتے بلکہ بعض اوقات تو ہمسایہ ملک کے مقالات پر ڈاکا بھی ڈالا جاتا ہے۔ راقم الحروف نے اپنے مقالہ کے آغاز میں ان الفاظ میں ''Declaration'' دیا ہے:

I solemnly declare that this thesis is the result of my own research and is composed entirely by me for the award of the degree of Ph.D. This piece of research work has not been submitted and shall not in future be submitted for obtaining the very same degree from any degree from any other university.
(6-A- Sultan Shah, Sayyed, The origin of life and its continuity Ph.D Thesis (unpublished), Islamia University Bahawalpur P.iii)

(میں حلفاً اعلان کرتا ہوں کہ یہ مقالہ میری ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہے اور اسے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ذاتی طور پر میں نے خود مرتب کیا ہے۔ یہ تحقیقی کام اس ڈگری کے لیے نہ تو کسی دوسری یونیورسٹی میں پیش کیا گیا ہے اور نہ آئندہ پیش کیا جائے گا)

میرے استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت پی ایچ ڈی (ایڈنبرا) صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے بتایا کہ مغرب میں اس قسم کا حلف

نامہ مقالہ کے شروع میں دیا جاتا ہے لیکن پاکستان میں بوجوہ اس سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

ایم اے کی ڈگری کے لیے لکھے گئے بعض مقالات انتہائی معیاری بھی ہیں اور ہر شعبہ میں ایسے مقالات بھی پیش کیے گئے جو طریقِ تحقیق، اُسلوبِ تحریر، استدلال اور نتائج کے استخراج کی عمدہ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ایسے غیر مطبوعہ مقالات بعض اوقات نام نہاد محققین معمولی ردّوبدل کے ساتھ اپنے ناموں سے چھپوا بھی رہے ہیں۔ چند برس قبل روزنامہ ''خبریں'' لاہور میں یہ خبر پڑھی تھی کہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، ڈاکٹر عرش صدیقی مرحوم کی کتابیں اپنے نام کرنے والے ہیں۔(۷) اخبار نے لاہور کے ادبی اخبار ''بجنگ آمد'' کے حوالے سے لکھا تھا کہ ''عرش صدیقی کے سات مسترد افسانے'' کسی طالب علم کا تحقیقی کام تھا، جو طاہر تونسوی نے اپنے نام کرلیا۔ اس طرح کے اور واقعات بھی سننے میں آئے ہیں لیکن کوئی بھی ذی عقل اور صاحب علم استاد ایسی حرکت کم ہی کرتا ہے۔

ہمارے ہاں کسی موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے تحقیق شروع کرنے والا اپنے ہی ملک میں اور پاکستان سے باہر اس موضوع پر کیے گئے کام یا جاری تحقیق سے بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ مغربی دنیا میں انگریزی زبان میں لکھے گئے مقالات تو بیشتر ہمارے محقق پڑھ نہیں سکتے۔ راقم الحروف کے خیال میں کسی بھی موضوع پر تحقیقی کام شروع کرنے سے قبل اس کے متعلق مطبوعہ کتب، مخطوطات اور مطبوعہ وغیر مطبوعہ مقالات سے محقق کا باخبر ہونا انتہائی ضروری ہے وگرنہ تو اُردو کے ذریعے فقط محنت اور سرمایہ ضائع ہوگا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اردو میں چونکہ محققین کے درمیان کوئی ربط اور تنظیم نہیں ہے اس لیے وہ ہم عصر محققین کے تحقیقی منصوبوں سے بالعموم بے خبر رہتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں تو زیرِ تحقیق منصوبوں کے بارے میں اطلاعات باقاعدگی سے خاص جرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں اور سب محقق ان تحقیقات سے آگاہ رہتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں تحقیقی توارد کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے جبکہ برصغیر میں اس نوعیت کی معلومات فراہم کرنے کے ذرائع اب تک مستقل یا عارضی بنیادوں پر قائم نہیں ہو سکے ہیں" (۸)۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ایسے کئی موضوعات بھی گنوائے ہیں جن پر ایک سے زیادہ جامعات میں کام ہوا یا ہو رہا ہے۔ یہ مثالیں ہمارے ہمسایہ ملک بھارت کی مختلف دانش گاہوں میں پیش کیے جانے والے تحقیقی مقالات کی ہیں۔ مثلاً اردو ادب میں تمثیل نگاری کے موضوع پر جموں یونیورسٹی میں کام ہو چکا تھا، بالکل اسی موضوع پر دلّی یونیورسٹی اور گورکھپور یونیورسٹی میں تحقیقی کام ہو رہا تھا۔ اکبرالٰہ آبادی کی شاعری کے موضوع پر جامعہ ملّیہ اسلامیہ دلّی، دلّی یونیورسٹی اور بنارس یونیورسٹی میں تین طالب علم بیک وقت تحقیقی کام میں مصروف تھے جو اب تک مکمل کر چکے ہوں گے۔ بہادر شاہ ظفر اور جرأت پر دلّی یونیورسٹی میں کام مکمل ہو چکا تھالور الٰہ آباد یونیورسٹی میں کام ہو رہا تھا (۹)۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مطابق پروفیسر حافظ محمد عبدالباری صدیقی، ڈاکٹر مدد علی قادری صدرِ شعبۂ عربی، سندھ یونیورسٹی جام شورو کی نگرانی میں "امام احمد رضا کے حالات و افکار" پر اور مولانا طیب علی رضا مصباحی ڈاکٹر قمر جمال کی نگرانی میں ہندو یونیورسٹی بنارس سے "امام احمد رضا۔ حیات اور کارنامے" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کر رہے

تھے۔ اسی طرح حکیم محمد ادریس خان مہمند (پرانا سکھر سندھ) بھی سندھ یونیورسٹی سے امام احمد رضا کی علمی و ادبی خدمات پر ڈاکٹریٹ کر رہے تھے (۱۰)۔ امید ہے کہ ان حضرات کے مقالات مکمل ہو چکے ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری پر بیک وقت پروفیسر شاہد اختر حبیبی کلکتہ یونیورسٹی سے امام احمد رضا کی اردو شاعری اور آنسہ ظہیرہ قادری امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر جبلپور یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہی تھی۔ پروفیسر غیاث الدین قریشی برمنگھم میں "امام احمد رضا کی مذہبی شاعری" پر ڈاکٹر ٹرال کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کر رہے تھے (۱۱)۔ ایک ہی موضوع پر بیک وقت تین چار محققین کا کام کرنا مناسب نہیں۔ اگر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف اور افکار پر کام کرنا ہے تو اس کے کئی پہلو ہیں اور ہر محقق کو دوسرے سے مختلف موضوع پر محنت اور وقت صرف کرنا چاہیے تاکہ تحقیقی توارد سے بچا جا سکا اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے افکار کے ایسے پہلوؤں پر کام ہو سکے جو ہنوز تشنۂ تحقیق ہیں۔ ان کی شاعری میں موجود مختلف علم کے حوالے سے درجنوں موضوعات پر ڈاکٹریٹ کے مقالات لکھے جا سکتے ہیں اور ان کے فتاویٰ پر بے شمار موضوعات کو موضوعِ تحقیق بنایا جا سکتا ہے۔

آج کل ایک اور سلسلہ چل نکلا ہے کہ جس موضوع پر ایم اے کے لیے مقالہ لکھا جاتا ہے، کسی دوسری یونیورسٹی بالخصوص علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کے لیے اسی کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ اضافے ضرور کیے جاتے ہیں تاکہ اس کے حجم میں اور کتابیات میں اضافہ ہو سکے۔ ایک ہی موضوع پر دو ڈگریوں کے حصول کے بعد ایسے نام نہاد محقق کی بے چین روح اسے سکون سے

بیٹھنے نہیں دیتی اور وہ کسی تیسری یونیورسٹی میں اسی موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے مقالہ پیش کرنے کی تگ و دو شروع کر دیتا ہے۔ بعض اوقات یونیورسٹی والوں کی لاعلمی کے باعث وہ ایک ہی جست میں تیسری منزل سر کر لیتا ہے اور کبھی کبھار بوجوہ دوسری منزل سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ اس سلسلے میں کئی ''نقاب پوشوں'' کو بے نقاب کر سکتا ہوں مگر مستورات کا ذکر مناسب نہیں سمجھتا۔ یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ بعض محققین پر خصوصی لطف و کرم ہوتا ہے اور ان کی ایسی چالاکیوں کا علم ہونے کے باوجود راستے میں روڑے اٹکانے کے بجائے ہر حال میں ڈگری دلوانے کے لیے ان کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔

پاکستان اور بھارت میں ایک جیسے موضوعات پر تحقیقی مقالات لکھے جا رہے ہیں۔ بعض اوقات دوسری جامعات سے مقالات کی نقول حاصل کر کے تحقیقی سفر کی صعوبتوں کا قلع قمع کر لیا جاتا ہے اور معمولی تبدیلیاں کر کے یا کتابوں کے پاکستانی ایڈیشن کا حوالہ دے کر باقی سارا کام نقل سے ہی چلا لیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ڈاکٹر انور سدید نے اپنے ایک اخباری کالم ''گفت نی'' میں دی تھا۔ ان کے مطابق پروفیسر ڈاکٹر طاہر ہانسوی نے احمد حسین نقوی غریبؔ کے متعلق مقالہ لکھنو میں لکھے گئے مقالہ کی فوٹو کاپی حاصل کر کے مکمل کیا۔ اس کار خیر کے لیے انہیں بھارت یاترا کی ضرورت پیش آئی۔ بہر حال اعلیٰ ترین تعلیمی ڈگری کے لیے ''سرقہ'' ہمارے علمی انحطاط اور اخلاقی ناشائستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے (۱۲)۔ دوسری مثال گزشتہ صفحات میں آپ ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی کی ملاحظہ کر چکے ہیں جنہوں نے ''اردو مولود نامے'' کے عنوان سے دزدیدہ تحقیق کے ذریعے پی ایچ ڈی کی ہے۔

اس موضوع پر سندھ یونیورسٹی کی محترمہ سعدیہ نسیم لکھتی ہیں۔ ''میلاد ناموں پر اب تک جو تحقیقی نوعیت کا کام ہوا ہے اس سلسلے میں دو مقالے خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ سندھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں آنسہ سیدہ رئیس فاطمہ نے مجلسی میلاد ناموں کے موضوع پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی نگرانی میں ایم اے کا تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس مقالے کو ''تحفۂ ساقی کوثر'' کے تاریخی نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی قسم کا ایک اور تحقیقی مطالعہ ناگپور یونیورسٹی میں بعنوان ''اردو میں میلاد نامے'' کیا گیا۔ یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے لیے قاضی شہاب الدین نے لکھا اور ۱۹۶۴ء میں منظور ہوا'' (۱۳)۔

راقم الحروف ڈاکٹر صدیقی کے زیر نظر مقالے کو ''چوری شدہ'' مال قرار دیتا ہے اور اس کے ثبوت میں متعدد مثالیں پیش کر چکا ہے۔ ان شاء اللہ بھارت سے قاضی شہاب الدین کا مقالہ حاصل کرنے کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو ہو گی۔

ڈاکٹر وحید قریشی نے ایک تقریب میں یہ کہہ دیا کہ آزادی سے پہلے بھی اجرت دے کر مقالے لکھوا لیے جاتے تھے اور یہ جعل سازی مغربی ممالک میں بھی ہو رہی ہے کہ مقرر شدہ فیس ادا کر کے گھر بیٹھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لیجئے (۱۴)۔ ایسی ایک مثال ڈاکٹر انور سدید بھی پیش کی ہے جو انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء میں دہلی کے ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ نے امیرؔ مینائی کی شخصیت اور شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۵ء میں سید محمد علی زیدی نے مرزا داغؔ دہلوی کی شخصیت اور شاعری پر مقالہ لکھا اور انہیں بھی

ڈگری عطا کر دی گئی۔ یہ دونوں مقالے چھپ کر سامنے آئے اور موازنہ کیا گیا تو حقیقت کھل گئی، ڈاکٹر زیدی نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا کہ ابو محمد سحر کے مقالے میں جہاں امیر مینائی کا نام آتا تھا وہاں انہوں نے مرزا داغ کا نام درج کر دیا۔ سارے مقالے میں ان کا اپنا کام صرف اتنا تھا کہ مرزا داغ کے حالاتِ حیات نئے لکھے گئے تھے اور اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ مقالے میں امیر مینائی کے حالاتِ حیات سے کام چلانا ممکن نہیں تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر ابو محمد سحر اور ڈاکٹر سید محمد علی زیدی دونوں کے بیرونی ممتحن آل احمد سرور صاحب اور سید احتشام حسین صاحب تھے۔ دونوں ڈگریاں ان کی سفارش پر دی گئی تھیں۔ دونوں اس سرقے کو پکڑ نہ سکے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر زیدی نے مقالہ گراں اُجرت پر لکھوایا تھا۔ ڈاکٹر زیدی سے یونیورسٹی نے ڈگری واپس لے لی۔ لیکن وہ اب تک شکوہ گزار ہیں کہ مقالہ لکھنے والے نے ان کے ساتھ بد دیانتی کی تھی'' (۱۵)۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی موضوع پر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں سیمینار ہو رہا تھا جہاں محترمہ ساجدہ زیدی نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ اردو لکھنے والوں کا ایک ایسا طبقہ رونما ہو چلا ہے جو تین چار کتابوں کو سامنے رکھ کر پانچویں کتاب لکھ لیتے ہیں جب کہ ان کی کتاب میں کوئی بھی بات نہیں ہوتی (۱۶)۔ اگر چہ کسی بھی تحقیقی کام میں ایسی حرکت برداشت نہیں کی جا سکتی لیکن ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ترین ڈگری کے لیے تو محقق کو تجسس اور تلاش کی جستجو سے بہرہ ور ہونا چاہیے۔ اس میں ہر بات کو خورد بینی سے دیکھنے کی صلاحیت، متضاد مواد سے صحیح اور غلط میں تفریق کرنے کا ملکہ، روایات کی چھان پھٹک کرنے کا فن اور تجزیہ و تقابل کی

اہلیت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صدیق جاوید کے مطابق محقق میں دور افتادہ اور زمانی و مکانی بُعد رکھنے والی چیزوں میں باہمی نسبت دے لینے کی اہلیت بھی بہت ضروری ہے (۱۷)۔

عصرِ حاضر میں جامعات میں ڈاکٹریٹ کے لیے لکھے گئے مقالات کا معیار پست ہونے کی شکایت علم و ادب کا سچا جذبہ اور صحیح ذوق رکھنے والے افراد زبان و قلم سے کر رہے ہیں جو ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر انور سدید نے ایسے تحقیقی مقالات کے متعلق یہ رائے دی ہے ''تحقیق کا بہت سا کام اب برصغیر پاک و ہند کی یونیورسٹیوں میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کیلئے ہو رہا ہے۔ اس قسم کی مقصدی تحقیق میں موضوع کے ساتھ داخلی مطابقت' محبت اور کام میں علمی انہماک نظر نہیں آتا لیکن معدودے چند مقالات ایسے ہیں جنہیں تحقیق میں معیار اور اعتبار حاصل ہوا'' (۱۸)۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن اپنے انتہائی پر از معلومات مقالہ بعنوان ''پاکستانی یونیورسٹی میں اردو تحقیق کی روایت اور صورتِ حال'' میں فرماتے ہیں:

''میرے ذاتی ذخیرۂ کتب کا ایک گوشہ یونیورسٹیوں کے مطبوعہ' غیر مطبوعہ تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے اس میں دنیا بھر کی پچاس سے زیادہ یونیورسٹیوں کے کوئی پانچ سو کے قریب ایسے مقالات محفوظ ہیں جن پر کوئی اعلیٰ علمی سند تفویض کی گئی ہے۔ اس ذخیرے کا بڑا حصہ قابلِ لحاظ نہیں'' (۱۹)۔

دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد رشید حسن خان نے ''ادبی تحقیق۔ مسائل اور تجزیہ'' میں جامعاتی تحقیق کی پستی معیار کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''اگر یہ کہا جائے کہ ہماری یونیورسٹیاں' تحقیقی مقالوں کے کارخانوں کی

حیثیت اختیار کر چکی ہیں' تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ طلبہ کے علاوہ' دانش گاہوں کے اساتذہ بھی حسب توفیق اس شمار میں اضافے کرتے رہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اس کثرت اور تیز رفتاری نے' پستی معیار کو عام کر دیا ہے'' (۲۰)۔

پروفیسر موصوف تحقیقی میدان میں آنے والے سیلاب سے پیدا ہونے والے مسائل سے بڑے مضطرب ہیں۔ اس کا اظہار اپنی مذکورہ بالا کتاب کے ابتدائیہ میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حالات کے زیرِ اثر تحقیق کو دانش گاہوں میں پناہ گزیں ہونا پڑا ہے اور ایسے حالات کے تحت تحقیق کرنے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ جب کہیں پناہ گزینوں کا سیلاب آتا ہے تو شہری زندگی میں بہت سے پریشان کن مسائل پیدا ہو جاتے ہیں' یہاں بھی یہی ہوا'' (۲۱)۔

ڈاکٹر جمیل جالبی پاکستان کے ایسے ریسرچ اسکالر ہیں جنہوں نے پانچ برس کی ریکارڈ مدت میں اردو میں پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی اعلیٰ ترین ڈگریوں کے حصول کا اعزاز حاصل کیا ہے (۲۲) انہیں بھی ڈاکٹریٹ کیلئے پیش کئے جانے والے مقالات کی بے جا طوالت اور گرتے ہوئے معیار پر سخت تشویش ہے۔ ایسی تحقیق کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''پی ایچ ڈی کے مقالات کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ان مقالات میں ایک خرابی عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ وہ ضروری وغیر ضروری مواد کے ڈھیر سے لدے پھندے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ضخیم اور فربہ ہوتے ہیں۔ تحقیق کرنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کیا شامل کرنا ہے اور کیا شامل نہیں کرنا ہے۔ تحقیق کا سارا ورک شامل کرنے سے مقالہ تو ضخیم ہو جاتا ہے لیکن اصل موضوع

بے ضرورت مواد اور پھیلاؤ کی وجہ سے دب کر رہ جاتا ہے۔ بعض اوقات مقالات کو پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تحقیق کرنے والا اس ملبے کے نیچے دب گیا ہے بلکہ اس نے راستہ بھی گم کر دیا ہے...... موجودہ تحقیقی مقالات کی خرابی کے ذمہ دار وہ استاد ہیں جو جامعات میں ان مقالات کے نگران ہیں اور خود فنِ تحقیق و تدوین کے اصول و مسائل سے نابلد ہیں'' (۲۳)۔

بھارت کی جامعات میں تحقیق کا معیار بھی ہماری طرح پست ہو رہا ہے۔ اس کا اعتراف ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے کھلم کھلا کیا تھا۔ ان کے نزدیک پی ایچ ڈی کی ڈگری 'اب ہر اس شخص کو ملنے لگی ہے جو تین چار سو صفحے کالے کر لے' خواہ اس میں کوئی قابل ذکر بات کہی گئی ہو یا نہیں۔ کم سے کم میرے علم میں تو سوائے ایک آدھ کے کوئی ایسا مقالہ نہیں جسے ممتحن حضرات نے قطعی طور پر نامنظور کر دیا ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یونیورسٹیوں میں تحقیق کا معیار روز بروز گر رہا ہے'' (۲۴)۔

ڈاکٹر وحید قریشی محققین کی تحقیقی دوڑ کو معیار کی پستی کا سبب گردانتے ہوئے لکھتے ہیں ''محقق ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش میں ناقص اور ادھورا کام چھاپ کر مارکیٹ میں لانا یا پھر ٹائپ کر کے (بلکہ آج کل کمپیوٹر سے کمپوز کروا کر۔۔۔ ناقل) ڈگری کے لئے پیش کرنے میں کوشاں نظر آتا ہے '' (۲۵)۔

پی ایچ ڈی کے مقالات میں ایک اور خامی یہ نظر آتی ہے کہ آپ کسی یونیورسٹی کے کسی شعبہ میں لکھے گئے سب سے پہلے اور تازہ ترین مقالہ کا ناقدانہ جائزہ لیں تو دونوں میں کئی چیزیں مشترک نظر آئیں گی۔ تیس چالیس قبل پیش کیے گئے مقالہ

کے بعد اس مضمون میں تحقیقی مقالہ لکھنے والے ہر مقالہ نگار کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس میں کچھ نہ کچھ زبان وبیان، اسلوبِ تحقیق اور تجزیہ وتنقید کے لحاظ سے اضافہ کرے۔ جدید تقاضوں کے پیشِ نظر موضوعات میں جدّت ہونا از حد ضروری ہے۔ اپنے پیشرو محققین کے مقالات کا مطالعہ انتہائی سودمند ہوتا ہے۔ لیکن اس مطالعہ کے بعد مقالہ نگار کی تحقیق اس کے اپنے تجزیہ اور تحقیق پر مشتمل ہونی چاہیے۔ یہاں پنجابی ادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کیلئے لکھے گئے مقالات کی مثال ملاحظہ ہو کہ بیشتر مقالہ نگاروں نے کس پنجابی شاعر کی ''حیاتی تے شاعری'' یا ''فکر تے فن'' پر مقالات لکھے ہیں (۲۶) جس میں فقط اشعار کو مختلف موضوعات کے تحت لکھ کر ان پر بحث کرنا ہوتی ہے یا پھر حالات زندگی تحریر کرنے ہوتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد صاحب وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ۲۶ ستمبر ۱۹۹۹ء کو ایک لنچ کے دوران متعدد پی ایچ ڈی حضرات کی موجودگی میں لسانیات میں ڈاکٹریٹ کے مقالات کے موضوعات کو ''حیات اور کارنامے'' اور ''احوال وآثار'' تک محدود کر دینے پر بڑے لطیف انداز میں طنز کی تھی، جو راقم الحروف کی طرف سے دیا گیا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ عربی زبان وادب سے پی ایچ ڈی کا مقالہ عربی میں لکھنے کی پابندی نہ تھی۔ آج کل یہ لازم کر دیا گیا کہ مقالہ عربی زبان میں ہی پیش کیا جائے جو ایک قابلِ تحسین کام ہے لیکن اس سے عربی مقالات سے زیادہ عربی مخطوطات کی تدوین پر توجہ مرکوز ہو گئی ہے۔ بلاشبہ تدوین، تحقیق ہی کا ایک شعبہ ہے لیکن کسی بھی مضمون میں تحقیق کو تدوین تک محدود کر دینا مناسب نہیں۔ عربی زبان و ادب کے بے شمار گوشے ہنوز تشنۂ تحقیق ہیں۔ عربی نظم ونثر کے ان گنت

موضوعات پر ریسرچ ہو سکتی ہے مفسرین، محدثین، فقہاء اور صوفیہ کی تصانیف، فکر وفن اور ادوار کے حوالے سے کئی موضوعات تحقیق پر کام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا عربی میں پی ایچ ڈی کرنے والوں کو تدوین کے کام کے ساتھ ساتھ دیگر تحقیقی موضوعات کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

یہ درست ہے کہ ہمیں اپنے اسلاف کے کارنامے فراموش نہیں کرنے چاہئیں اور ہمیں ان کی علمی وادبی خدمات کو یاد رکھنا چاہیے لیکن اس سے ایک غیر صحت مند رُجحان سامنے آیا ہے۔ پی ایچ ڈی کی تحقیق کو فقط شخصیت پرستی کی نذر کر دینا کوئی دانشمندی نہیں۔ ہاں اسے بزرگوں کے افکار اور فلاسفی کیلئے مختص کرنا انتہائی سودمند ہوگا۔ شخصیات پر لکھے گئے پی ایچ ڈی کے مقالات ان کی مدحیہ سوانح عمری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلے اس شخصیت کے حالات زندگی، پھر مشاغل اور آخر میں تصانیف کا تعارف لکھ دینا، پی ایچ ڈی کیلئے کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ ایسے مقالات میں تنقیدی وتقابلی جائزوں کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے بلکہ اکثر مقالات میں اس شخصیت کی کسی اجتہادی غلطی، کسی قلمی تسامح اور کسی فکری لغزش کا بھی ذکر نہیں ہوتا۔ کیا وہ شخص پیغمبر یا فرشتہ تھا کہ پوری زندگی میں اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی؟ ہمارے ہاں لکھے جانے والے تنقیدی جائزے زیادہ تر محاسن کے ذکر سے لبریز ہوتے ہیں اور بعض اوقات پورے تذکرے میں کسی قسم کے معائب کا ذکر نہیں ہوتا۔ پی ایچ ڈی کی سطح پر محبت وعقیدت کے باعث کسی بھی عالم، ادیب یا شاعر کے فقط اوصافِ حمیدہ گنوانا اور اس کی کمزوریوں سے صرف نظر کر لینا کوئی اچھی روایت نہیں۔ پھر مخصوص ادبی حلقے یا کسی خاص مسلک کی ترجمانی تک محدود ہو جانا بھی قابلِ ستائش نہیں۔ تحقیق کا مقصد تلاشِ حق ہے

کے بعد اس مضمون میں تحقیقی مقالہ لکھنے والے ہر مقالہ نگار کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس میں کچھ نہ کچھ زبان و بیان، اسلوبِ تحقیق اور تجزیہ وتنقید کے لحاظ سے اضافہ کرے۔ جدید تقاضوں کے پیشِ نظر موضوعات میں جدّت ہونا از حد ضروری ہے۔ اپنے پیشرو محققین کے مقالات کا مطالعہ انتہائی سودمند ہوتا ہے۔ لیکن اس مطالعہ کے بعد مقالہ نگار کی تحقیق اس کے اپنے تجزیہ اور تحقیق پر مشتمل ہونی چاہیے۔ یہاں پنجابی ادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کیلئے لکھے گئے مقالات کی مثال ملاحظہ ہو کہ بیشتر مقالہ نگاروں نے کس پنجابی شاعر کی ''حیاتی تے شاعری'' یا ''فکر تے فن'' پر مقالات لکھے ہیں (۲۶) جس میں فقط اشعار کو مختلف موضوعات کے تحت لکھ کر ان پر بحث کرنا ہوتی ہے یا پھر حالات زندگی تحریر کرنے ہوتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد صاحب وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ۲۶ ستمبر ۱۹۹۹ء کو ایک لنچ کے دوران متعدد پی ایچ ڈی حضرات کی موجودگی میں لسانیات میں ڈاکٹریٹ کے مقالات کے موضوعات کو ''حیات اور کارنامے'' اور ''احوال و آثار'' تک محدود کردینے پر بڑے لطیف انداز میں طنز کی تھی، جو راقم الحروف کی طرف سے دیا گیا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ عربی زبان و ادب سے پی ایچ ڈی کا مقالہ عربی میں لکھنے کی پابندی نہ تھی۔ آج کل یہ لازم کردیا گیا کہ مقالہ عربی زبان میں ہی پیش کیا جائے جو ایک قابلِ تحسین کام ہے لیکن اس سے عربی مقالات سے زیادہ عربی مخطوطات کی تدوین پر توجہ مرکوز ہوگئی ہے۔ بلاشُبہ تدوین، تحقیق ہی کا ایک شعبہ ہے لیکن کسی بھی مضمون میں تحقیق کو تدوین تک محدود کردینا مناسب نہیں۔ عربی زبان و ادب کے بے شمار گوشے ہنوز تشنۂ تحقیق ہیں۔ عربی نظم و نثر کے اَن گنت

موضوعات پر ریسرچ ہو سکتی ہے مفسرین، محدثین، فقہاء اور صوفیہ کی تصانیف، فکر وفن اور ادوار کے حوالے سے کئی موضوعات تحقیق پر کام ہو سکتا ہے۔ لہذا عربی میں پی ایچ ڈی کرنے والوں کو تدوین کے کام کے ساتھ ساتھ دیگر تحقیقی موضوعات کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

یہ درست ہے کہ ہمیں اپنے اسلاف کے کارنامے فراموش نہیں کرنے چاہئیں اور ہمیں ان کی علمی و ادبی خدمات کو یاد رکھنا چاہیے لیکن اس سے ایک غیر صحت مند رُجحان سامنے آیا ہے۔ پی ایچ ڈی کی تحقیق کو فقط شخصیت پرستی کی نذر کردینا کوئی دانشمندی نہیں۔ ہاں اسے بزرگوں کے افکار اور فلاسفی کیلئے مختص کرنا انتہائی سودمند ہوگا۔ شخصیات پر لکھے گئے پی ایچ ڈی کے مقالات ان کی مدحیہ سوانح عمری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلے اس شخصیت کے حالات زندگی، پھر مشاغل اور آخر میں تصانیف کا تعارف لکھ دینا، پی ایچ ڈی کیلئے کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ ایسے مقالات میں تنقیدی و تقابلی جائزوں کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے بلکہ اکثر مقالات میں اس شخصیت کی کسی اجتہادی غلطی، کسی قلمی تسامح اور کسی فکری لغزش کا بھی ذکر نہیں ہوتا۔ کیا وہ شخص پیغمبر یا فرشتہ تھا کہ پوری زندگی میں اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی؟ ہمارے ہاں لکھے جانے والے تنقیدی جائزے زیادہ تر محاسن کے ذکر سے لبریز ہوتے ہیں اور بعض اوقات پورے تذکرے میں کسی قسم کے معائب کا ذکر نہیں ہوتا۔ پی ایچ ڈی کی سطح پر محبت وعقیدت کے باعث کسی بھی عالم، ادیب یا شاعر کے فقط اوصافِ حمیدہ گنوانا اور اس کی کمزوریوں سے صرف نظر کرلینا کوئی اچھی روایت نہیں۔ پھر مخصوص ادبی حلقے یا کسی خاص مسلک کی ترجمانی تک محدود ہو جانا بھی قابلِ ستائش نہیں۔ تحقیق کا مقصد تلاشِ حق ہے

اور حق تک پہنچنے کیلئے محقق کو ہر قسم کی تعصبات سے بالاتر ہو کر احقاق حق کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔

عصرِ حاضر میں جب کہ ہمارے ملک میں چند گنے چُنے احباب تحقیق سے وابستہ ہیں، ہمیں دانش گاہوں میں ایسے موضوعات پر تحقیق کی طرف توجہ دینا چاہیے جس کا براہ راست ہماری زندگی سے تعلق ہو اور جس سے ہماری ملت کو کوئی فائدہ پہنچ سکے یا جس کی ہمارے تعلیمی نظام میں ضرورت محسوس کی جائے۔ اپنے ملک وملت کو درپیش مسائل سے، خواہ وہ سماجی ہوں یا فکری، معاشی ہو یا سیاسی، صَرفِ نظر کر کے بے مقصد تحقیق کیلئے وقت اور وسائل کا ضیاع ذہنی تعیش کے سوا کچھ اہمیت نہیں رکھتا جس کے متعلق مولانا کوثر نیازی کے ۱۹۷۶ء میں کہا تھا ''بے تعلق اور بے مقصد تحقیق جسے مغرب میں (Sang Froid) ''سانگ فرواد'' تحقیق کہا جاتا ہے، اس کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے'' اس لئے یہ لازم ہے کہ ہمارے محققین اطلاقی موضوعات کا انتخاب کریں تا کہ ان کی ریسرچ قوم وملت کے لئے مفید ثابت ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے وہ اسکالرز جو ذاتی یا ملکی سرمایہ خرچ کر کے بیرون ملک جامعات میں پیش کرنے کیلئے پی ایچ ڈی کے مقالات رقم کرتے ہیں، انہیں اپنے نگرانوں کی طرف سے دیئے گئے موضوعات کے بجائے اپنی قوم اور معاشرے کی بہبود کیلئے سود مند موضوعات کا انتخاب کرنا چاہیے۔

جاوید اکبر انصاری نے ''پاکستان میں علمی وتحقیقی اداروں کی بدترین صورتِ حال'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں مطالبہ کیا ہے کہ تحقیق کے نام پر سرقہ کرنے والوں کا سخت محاسبہ کیا جائے۔ انہوں نے جنرل پرویز مشرف کو خطاب

کرتے ہوئے لکھا ہے ''ملکی جامعات اور تحقیقی اداروں میں ہونے والے علمی اور تحقیقی کام کا سخت ترین محاسبہ کریں۔ اس محاسبے کے لیے باقاعدہ قانون سازی کی جائے اور ''دانشورانہ بددیانتی'' کے مرتکب محققین' اساتذہ اور مصنفین کو سخت ترین سزائیں دی جائیں''۔ انہوں نے مزید لکھا ہے: ''پاکستان کو سیاستدانوں اور فوجی حکمرانوں سے زیادہ نقصان ان نام نہاد سائنس دانوں، محققین، دانشوروں، مصنفین اور مفکرین نے پہنچایا ہے جنہوں نے تحقیق کے نام پر خرافات، تحقیق کے نام پر سرقہ، تصنیف کے نام پر تحریفات اور تالیف کے نام پر منتشر افکار اور تاریخ کے نام پر جھوٹ، فریب اور مکر کی کہانیاں تحریر کی ہیں۔ قوم کی دانش کو آلودہ کرنے والے محققین کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ ان کے خلاف سخت ترین کارروائی ہونی چاہیے اور ان کے علمی وتحقیقی کام کو ازسرِنو گہری نظر سے جائزہ لینا چاہیے۔ اس وقت پاکستان کی جامعات اور حکومت کی زیرِ سرپرستی علمی و تحقیقی اداروں میں چند مستثنیات کے سوا ہر طرف ''جہالت'' کی حکمرانی ہے اور جہل کے بحرِ محیط میں نہ کوئی گہر ہے نہ صدف ہے''۔

حواشی:

۱۔ طنطاوی، شیخ علی۔ اسلام؟ (اردو ترجمہ: سید شبیر احمد) ادارہ علوم القرآن لاہور ۱۹۸۴ء ص ۳۰۶۔ اس کتاب کا اصل نام ''تعریف عام بدین الاسلام'' ہے۔

۲۔ روزنامہ جنگ لاہور ۲۹ مارچ ۲۰۰۰ء

۳۔ ایضاً

۴۔ روزنامہ ''خبریں'' لاہور۔۴ مئی ۲۰۰۰ء ص ۵

۵۔ مجلّہ ''تحقیق نامہ'' شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج لاہور۔شمارہ ۲، ۹۳۔۱۹۹۲ء ص ۱۶۴

۶۔ وحید قریشی، ڈاکٹر۔مقالاتِ تحقیق۔مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور مارچ ۱۹۸۸ء ص ۲۲

۷۔ روزنامہ ''خبریں'' لاہور۔اشاعت خاص ''ادب''۔۴ ستمبر ۱۹۹۷

۸۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری۔ادبی تحقیق کے اصول۔مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔۱۹۹۲۔ص ۳۷، ۳۸

۹۔ ایضاً۔ص ۳۸

۱۰۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر۔امام احمد رِضا اور عالمی جامعات۔رِضا انٹرنیشنل اکیڈمی۔صادق آباد، ۱۹۹۰ء ص ۳۰، ۶۱

۱۱۔ ایضاً۔ص ۴۱، ۴۲، ۵۳، ۵۴

۱۲۔ روزنامہ ''خبریں'' لاہور۔۴ ستمبر ۱۹۹۷ (انور سدید کا کالم ''گفت نی'' بعنوان پی ایچ ڈی کی شان میں ایک تقریب

۱۳۔ سعدیہ نسیم، اردو کے چند کمیاب میلاد نامے۔صریرِ خامہ۔نعت نمبر۔سندھ یونیورسٹی جامشورو۔۱۹۷۸ء ص ۱۳۵

۱۴۔ روزنامہ ''خبریں'' لاہور۔۴ ستمبر ۱۹۹۷

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ماہنامہ ''ادب دوست'' لاہور۔جلد ۶ شمارہ ۲ (فروری ۲۰۰۰ء) ص ۵۶

۱۷۔ تحقیق نامہ، شعبہ اُردو گورنمنٹ کالج لاہور۔جلد ۲، ص ۲۱۸

۱۸۔ انور سدید، ڈاکٹر۔اُردو ادب کی مختصر تاریخ۔اے ایچ پبلشرز لاہور۔۱۹۹۶ء ص ۶۲۳، ۶۲۴

۱۹۔ تحقیق نامہ۔شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج لاہور۔جلد ۲ ص ۱۴۰، ۱۴۱

۲۰۔ رشید حسن خان۔مسائل اور تجزیہ۔الفیصل ناشران و تاجران کتب اُردو بازار لاہور اکتوبر ۱۹۸۹ء ص ۵۷

۲۱۔ ایضاً۔ص ۶

۲۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی سے ''قدیم اُردو ادب کا تحقیقی مطالعہ'' اور ۱۹۷۶ء میں مثنوی نظامی دکنی المعروف ''پہ کدم راؤ پدم راؤ'' کی تدوین و تحقیق پر ڈی لٹ کی ڈگری دی گئی (تفصیلات کے تحقیق نامہ، شعبہ اُردو گورنمنٹ کالج لاہور۔جلد ۲، ص ۱۳۸

۲۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر۔ادبی تحقیق۔مجلس ترقی ادب۔کلب روڈ لاہور ۱۹۹۴ء ص ۱۹، ۲۰

۲۴۔ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' دہلی۔۱۔۷ دسمبر ۱۹۸۳ء ص ۱ بحوالہ تحقیق نامہ ۲: ۱۴۱

۲۵۔ وحید قریشی، ڈاکٹر۔مقالاتِ تحقیق۔مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور مارچ ۱۹۸۸ء ص ۱۶

۲۶۔ پنجابی میں پی ایچ ڈی کے لیے لکھے گئے چند عنوانات ملاحظہ فرمائیں۔(۱) سید اختر امان جعفری۔حضرت میاں محمد بخش۔۔۔حیاتی تے شاعری۔۱۹۸۰ء (۲) اعجاز احمد بیگ۔فقیر محمد فقیر۔۔۔حیاتی تے فن۔۱۹۸۹ء (۳) شفقت حسین۔حضرت خواجہ غلام فرید۔۔۔حیاتی تے شاعری ۱۹۸۱ (۴) شہباز ملک۔مولوی احمد یار۔۔۔فکر تے فن ۱۹۸۰ (۵) محمد بشیر چوہدری۔سید فضل شاہ نواں کوٹی۔۔۔جیون تے کلام۔۱۹۸۱ء

۲۷۔ ماہنامہ ''فکر و نظر'' اسلام آباد۔جلد ۱۳، شمارہ ۱۱ (مئی ۱۹۷۶ء) ص ۸

اخبارِ نعت

۱۔ محبتِ رسول ﷺ کے حوالے سے خطباتِ سیرت کا تیرھواں اجلاس ۵۔ اگست ۲۰۰۰ (ہفتہ) کو پروگرام کے مطابق ٹھیک ۳ بجے قائدِ اعظم لائبریری' باغ جناح' لاہور میں شروع ہوا۔ اجلاس کے مہمانِ خصوصی سید نیر الاسلام حسنی' راجا رشید محمود کے ساتھ سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ سید محمد رضا زیدی' محمد اقبال باہو اور فرحان احمد نے نعتیں پڑھیں۔ ڈاکٹر سید منور حسین کے صاحبزادے' فہد بن منور نے تلاوتِ قرآنِ مجید کی سعادت حاصل کی۔

گیارھویں اجلاس (جون ۲۰۰۰) سے حضور آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کی سیرتِ طیبہ پر مدیرِ نعت' راجا رشید محمود کے خطبات جاری ہیں۔ ولادتِ پاک کے واقعات و معجزات کا تذکرہ ہو چکا۔ حضور ﷺ کے آباؤ اجداد کی' آپ کے خاندان کی' اور خود آپ ﷺ کی عسرت اور تنگدستی کے مزعومات کی بالتفصیل تغلیط کی جا چکی۔ محمود پاشا فلکی کے حوالے سے یومِ میلاد ۹ ربیع الاول کو ہونے کی ''کہانی'' کا تیا پانچا کیا جا چکا۔ حضور ﷺ کی رضاعی ماؤں کا ذکر ہو چکا' سیدہ آمنہ' حضرت حلیمہ اور حضرت ثویبہ (رضی اللہ عنھن) کے علاوہ دیگر جن محترم خواتین کو حضور ﷺ کی رضاعی مائیں قرار دیا جاتا رہا ہے' اس کے خلاف دلائل دیے جا چکے۔ پرورش اور خدمت کرنے والوں میں سے بعض کا ذکر بارھویں اجلاس میں اور حضرت ابو طالب کا تذکرہ تیرھویں اجلاس میں ہوا۔ بچپن کے بعض واقعات اور معجزات وغیرہ کے علاوہ ''بابا رتن کی حضور ﷺ سے ملاقات کے افسانے کی تردید ان شاء اللہ چودھویں اجلاس (۹۔ ستمبر ۲۰۰۰ ہفتہ) میں ہو گی۔

مہمانِ خصوصی سید نیر الاسلام حسنی نے غیر مسلموں کے حضور پاک ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے متاثر ہونے کے سلسلے میں ایمان افروز واقعات کے ذریعے' امتیانِ سرکار ﷺ کو اتباعِ رسول ﷺ کی اہمیت کا احساس دلایا۔

متفرقات

۱۔ مدیرِ نعت' دعوتِ عمرہ کے گروپ نمبر ۱۵ کے قائد کے طور پر ۱۳ جولائی کو زیارتِ حرمین

شریفین کے لیے عازمِ سفر ہوئے اور ۲۸ جولائی کی صبح کو واپس لاہور پہنچے۔

۲۔ ۱۶۔ جولائی (اتوار) کو صبح آٹھ بجے مکہ مکرمہ میں حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایک محفل منعقد ہوئی جس میں محمد صدیق صبر قادری' شیخ محمد نذر' امجد علی اور مدیرِ نعت نے گفتگو کی اور نظمیں پڑھیں۔ ۱۷ جولائی کو زیارتیں کی گئیں۔

۳۔ ۱۸۔ جولائی کو گروپ کی رسائی مدینہ طیبہ ہوئی۔ امیرِ مدینہ سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بعض ساتھیوں کی بار بار حاضری ہوئی۔ کئی بار پیدل اور کئی مرتبہ کوئینس پر مسجد قبا میں حاضر ہو کر عمرے ادا کیے گئے۔ بہت سی محافلِ میلاد و مجالسِ نعت میں شرکت کی سعادت ملی۔ مدیرِ نعت سے ان کا اردو اور پنجابی کلام اور پنجابی کے معروف استاد شاعر' محمد صدیق صبر قادری سے (جو گروپ میں مدیرِ نعت کی معیت میں زیارت کے لیے گئے ہوئے تھے) ان کا کلام سنا گیا۔ بدھ (۲۶۔ جولائی کو زیارات کا اہتمام کیا گیا)

۴۔ ۲۱۔ ربیع الثانی/۲۳۔ جولائی (اتوار) کو بعد نمازِ عشا' باب العوالی میں مدیرِ نعت نے ایک محفل کا اہتمام کیا جس میں مدینہ طیبہ کے بہت سے اہلِ محبت و اخلاص نے شرکت کی۔ نعتیں اور نظمیں پڑھی گئیں اور محبت کی باتیں ہوئیں۔

۵۔ ۱۵ جولائی کو حلقہ درود پاک کا ۱۲۲واں ماہانہ اجلاس جامع مسجد عکسِ گنبد خضرا' اپل نہر' اپر مال' لاہور میں ہوا۔ مدیرِ نعت اس دن مکہ مکرمہ میں تھے' اس لیے لاہور کے اس حلقے میں شریک نہ ہو سکے۔

۶۔ ۱۱۔ اگست (جمعہ) کو بعد نمازِ عشا مدیرِ نعت کے گھر پر حضرت غوثِ اعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں محفل منعقد ہوئی۔

۷۔ ۱۲۔ اگست کو صبح دس بجے محکمہ اوقاف پنجاب کے زیرِ اہتمام قومی سطح پر ہونے والے مقابلہ نعت خوانی میں سید سلیم گیلانی' محمد ثناء اللہ بٹ اور مدیرِ نعت نے منصفین کے فرائض ادا کیے۔ اول آنے والے کو بیس ہزار روپے اور عمرے کا ٹکٹ' دوم اور سوم آنے والوں کو بالترتیب پندرہ اور دس ہزار روپے دیے گئے۔

۸۔ ۱۲۔اگست کو بعد نماز عشا حافظ سہیل نذر کے گھر واقع حضرت میاں میرؒ میں محفل میلاد منعقد ہوئی جس میں کئی نعت خوان حضرات کی نعت خوانی کے علاوہ مدیر نعت نے تقریر کی۔

۹۔ ۱۳۔اگست (۱۲ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ) کو حسب روایت بعد نماز عصر' حلقہ درود پاک کا ۱۲۳واں اسلام جامع مسجد عکس گنبد خضرا میں ہوا۔ جس میں حافظ سہیل نذر نے نعت پڑھی اور ملک الطاف حسین قادری اور مدیر نعت نے گفتگو کی۔

۱۰۔ ۱۹۔اگست ۱۹۹۰ کو مدیر نعت کی والدہ معظمہؒ اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ۱۹۔اگست ۲۰۰۰ کو بھی ان کی یاد میں محفلِ درود پاک منعقد ہوئی۔

۱۱۔ ۲۲۔اگست (منگل) کو صبح دس بجے سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ کے زیر اہتمام' ان کی نئی بلڈنگ واقع لارنس روڈ میں یومِ آزادی کے سلسلے میں تقریری مقابلے اور ملی ترانوں کا فائنل مقابلہ ہوا۔ جس میں پروفیسر خالد رسول محمود' طارق فارانی' پروفیسر خالد محمود عطا اور مدیر نعت نے منصفین کے فرائض ادا کیے۔ بورڈ کے چیئر مین ڈاکٹر محمد یعقوب نے صدارت کی' شیخ عبدالرحیم مہمان خصوصی تھے۔ ملک الطاف حسین قادری نے نظامت کی۔

۱۲۔ دعوت عمرہ کا گروپ ۱۶' غلام محمد مدنی کی قیادت میں ۲۸۔اگست (پیر) کو زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوا۔ ان شاء اللہ گروپ ۱۷' اکتوبر میں عازمِ سفر مکہ و مدینہ ہو گا۔

۱۳۔ ۲۔جولائی کو ریڈیو پاکستان کے ''قومی نعت گوئی کے مقابلہ ۲۰۰۱۔۲۰۰۰'' کے سلسلے میں تقسیم اعزازات کی تقریب ریڈیو پاکستان لاہور کے دفتر میں صوبائی وزیر ڈاکٹر خالد رانجھا کی صدارت میں ہوئی۔ ملک بھر سے موصول ہونے والی ۲۶۲ نعتوں میں سے ججوں کے تین رکنی پینل (خاطر غزنوی' نجیب احمد اور شہزاد احمد) نے پروفیسر حفیظ تائبؔ' محمد حنیف نازشؔ قادری' سہیل اخترؔ' اوصاف شیخؔ اور عقیلؔ عباس جعفری کی نعتیں منتخب کیں۔ ان شعرا کو ۵'۵ ہزار روپے کے چیک اور علامتی شیلڈز دی گئیں۔ (محمد حنیف نازشؔ قادری کی ایک نعت کو گزشتہ برس بھی انعام ملا تھا) تقسیم اعزازت کی تقریب میں یہ نعتیں بدر دین بدر' انور رفیع' افضل نوشاہی' نذیر حسین نظامی اور الطاف الرحمان پاشا نے پڑھیں۔

منتخب نعتوں کے مطلعے ملاحظہ فرمایئے:

تیرہ فصیلِ وقت میں باب کھلا جمال کا
نور و ظہورِ مصطفیٰ ﷺ حسن ہے ماہ و سال کا

(حفیظ تائبؔ)

حرفِ اقرأ سے جلی جب شمع دیوارِ حرا
جگمگا اٹھا نبی ﷺ کے نور سے غارِ حرا

(محمد حنیف نازشؔ قادری)

سبق وحدانیت کا مصطفیٰ ﷺ کے در سے ملتا ہے
شعور مرکز کعبہ اسی محور سے ملتا ہے

(سہیل اخترؔ)

ایسی نہیں ہے شمس و قمر کی چمک دمک
جیسی کہ ہے حضور ﷺ کے در کی چمک دمک

(اوصاف شیخؔ)

دل میں ہے مدینے کا وہ منظر تروتازہ
جو روح کو رکھتا ہے منوّر تروتازہ

(عقیلؔ عباس جعفری)

۱۴۔ صدیق صبرؔ قادری نے مدینہ طیبہ میں جو مدحیہ اشعار کہے' ان میں سے چار پنجابی مصرعے ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

مدینہ شہر ہے برکت تے خیر والا' ہر منگتے نوں ملدی اے خیر ایتھے
ذرہ ذرہ مدینے دا وانگ پھلاں' رکھیں ادب نال سوہنیا پیر ایتھے
وَدھ کے ماواں دے کولوں پیار ملدا' اپنے آپ نوں سمجھیں نہ غیر ایتھے
آ سکدا صبرؔ نہیں کوئی واللہ' میرے آقا ﷺ دی مرضی بغیر ایتھے

۱۹۸۸ کے خاص نمبر

جنوری حمدِ باری تعالیٰ
فروری نعت کیا ہے؟
مارچ مدینۃ الرسول ﷺ (اول)
اپریل اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (اول)
مئی مدینۃ الرسول ﷺ (دوم)
جون اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (دوم)
جولائی نعتِ قدسی
اگست غیر مسلموں کی نعت (اول)
ستمبر رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (اول)
اکتوبر میلاد النبی ﷺ (اول)
نومبر میلاد النبی ﷺ (دوم)
دسمبر میلاد النبی ﷺ (سوم)

۱۹۸۹ کے خاص نمبر

جنوری لاکھوں سلام (اول)
فروری رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (دوم)
مارچ معراج النبی ﷺ (اول)
اپریل معراج النبی ﷺ (دوم)
مئی لاکھوں سلام (دوم)
جون غیر مسلموں کی نعت (دوم)
جولائی کلامِ ضیاء القادری (اول)
اگست کلامِ ضیاء القادری (دوم)
ستمبر اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (سوم)
اکتوبر درود و سلام (اول)
نومبر درود و سلام (دوم)
دسمبر درود و سلام (سوم)

۱۹۹۰ کے خاص نمبر

جنوری حسن رضا بریلوی کی نعت
فروری رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (سوم)
مارچ درود و سلام (چہارم)
اپریل درود و سلام (پنجم)
مئی درود و سلام (ششم)
جون غیر مسلموں کی نعت (سوم)
جولائی اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (چہارم)
اگست وارثیوں کی نعت
ستمبر آزاد بیکانیری کی نعت (اول)
اکتوبر میلاد النبی ﷺ (چہارم)
نومبر درود و سلام (ہفتم)
دسمبر درود و سلام (ہشتم)

۱۹۹۱ کے خاص نمبر

جنوری شہیدانِ ناموسِ رسالت (اول)
فروری شہیدانِ ناموسِ رسالت (دوم)
مارچ شہیدانِ ناموسِ رسالت (سوم)
اپریل شہیدانِ ناموسِ رسالت (چہارم)
مئی شہیدانِ ناموسِ رسالت (پنجم)
جون غریب سہارنپوری کی نعت
جولائی نعتیہ مسدس
اگست فیضانِ رضا
ستمبر عربی ادب میں ذکرِ میلاد
اکتوبر سراپائے سرکار ﷺ
نومبر اقبال کی نعت
دسمبر حضور ﷺ کا بچپن

۱۹۹۲ کے خاص نمبر

جنوری نعتیہ رباعیات
فروری آزاد بیکانیری کی نعت (دوم)
مارچ نعت کے سائے میں
اپریل پیر کے دن کی اہمیت (اول)
مئی پیر کے دن کی اہمیت (دوم)
جون پیر کے دن کی اہمیت (سوم)
جولائی غیر مسلموں کی نعت (چہارم)
اگست آزاد نعتیہ نظم
ستمبر سیرتِ منظوم
اکتوبر سراپائے سرکار (دوم)
نومبر سفرِ سعادت، منزلِ محبت (اول)
دسمبر سفرِ سعادت، منزلِ محبت (دوم)

۱۹۹۳ کے خاص نمبر

جنوری ۹۲ (قطعات)
فروری عربی نعت اور علامہ نبہانیؒ
مارچ ستار وارثی کی نعت گوئی
اپریل حضور ﷺ اور بچے
مئی حضور ﷺ کے سیاہ فام رفقا
جون دائرہ بہزاد لکھنوی کی نعت
جولائی تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین (اول)
اگست تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین (دوم)
ستمبر رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (چہارم)
اکتوبر نعت ہی نعت
نومبر یا رسول اللہ ﷺ
دسمبر حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین

۱۹۹۴ کے خاص نمبر

جنوری محمد حسین فقیر کی نعت
فروری نعت ہی نعت (دوم)
مارچ تضمینیں
اپریل حضور ﷺ کی معاشی زندگی
مئی اختر الحامدی کی نعت
جون مدینۃ الرسول ﷺ (سوم)
جولائی شیدا بریلوی اور جمیل نظر کی نعت
اگست دیارِ نور
ستمبر بے چین رجپوری کی نعت
اکتوبر نعت ہی نعت (سوم)
نومبر نور علیٰ نور
دسمبر معراج النبی ﷺ (سوم)

۱۹۹۵ کے خاص نمبر

جنوری حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ
فروری استغاثے
مارچ نعت ہی نعت (چہارم)
اپریل نعت کیا ہے؟ (دوم)
مئی نعت کیا ہے؟ (سوم)
جون نعت کیا ہے؟ (چہارم)
جولائی خواتین کی نعت گوئی (اشاعتِ خصوصی)
ستمبر نعت ہی نعت
اکتوبر کافی کی نعت
نومبر غیر مسلموں کی نعت گوئی
دسمبر انتخابِ نعت

۱۹۹۶ کے خاص نمبر

جنوری	لطفؔ بریلوی کی نعت
فروری	نعت ہی نعت (ششم)
مارچ	(اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا)
اپریل	(حصہ اول)
مئی	ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ
جون	سرکار ﷺ دی سیرت
جولائی	حضورؐ کیلئے لفظ "آپ" کا استعمال
اگست	ظہورِ قدسی
ستمبر	اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا
اکتوبر	(حصۂ دوم)
نومبر	مجھے اُن ﷺ سے پیار ہے
دسمبر	ضلع اٹک کے نعت گو

۱۹۹۷ کے خاص نمبر

جنوری	شہرِ کرم (مصطفیٰ ﷺ نگر)
فروری	نعت ہی نعت (ہفتم)
مارچ	ہُوا یہ کہ.....
اپریل	جوہرؔ میرٹھی کی نعت
مئی	حضور ﷺ داویریاں نال سلوک
جون	دربارِ رسول ﷺ سے اعزاز یافتہ خواتین
جولائی	احمد رضاؔ بریلوی کی نعت
اگست	مدیحِ سرکار ﷺ
ستمبر	گجرات کے پنجابی نعت گو شعرا
اکتوبر	تہنیت النساء تہنیتؔ کی نعت
نومبر	اردو نعت اور عساکرِ پاکستان
دسمبر	ڈاکٹر فقیرؔ کی نعتیہ شاعری

۱۹۹۸ کے خاص نمبر

جنوری	نزولِ وحی (تحقیق)
فروری	ضلع گجرات کے اردو نعت گو شعرا
مارچ	قطعاتِ نعت
اپریل	نعت ہی نعت (ہشتم)
مئی	ہجرتِ حبشہ (تحقیق)
جون	عبد القدیر حسرتؔ کی حمد و نعت
جولائی	ماہنامہ "نعت" کے اداریے
اگست ستمبر	نعت اور ضلع سرگودھا کے شعراء
اکتوبر	ماہنامہ "نعت" کے دس سال
	(اشاعتِ خصوصی)
نومبر	حُیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ
دسمبر	نعت ہی نعت

۱۹۹۹ کے خاص نمبر

جنوری	کراچی کے شعراءِ نعت
فروری	حفیظؔ فاروقی کی نعت
مارچ	نعتیہ تبرکات
اپریل	سرکار ﷺ دی جنگی زندگی
مئی	مکی زندگی کے مسلمان
جون	حمیدؔ صدیقی کی نعت گوئی
جولائی اگست	تحفظِ ناموسِ رسالت
	(اشاعتِ خصوصی)
ستمبر	مخمساتِ نعت
اکتوبر	نعت ہی نعت
نومبر	امیرؔ مینائی کی نعت
دسمبر	عابدؔ بریلوی کی نعت

۲۰۰۰ کے خاص نمبر

جنوری	اعزاز یافتہ صحابہؓ
فروری	موجِ نور
مارچ	سرزمینِ محبت
اپریل	ہمارے حضور ﷺ کی زندگی
مئی	شعب ابی طالب
جون	نور نبی ﷺ دیاں کرناں
جولائی	
اگست	نعت ہی نعت (۱۱واں حصہ)
ستمبر	تحقیق/سرقہ
اکتوبر	
نومبر	حرف نعت
دسمبر	سندھ کے نعت گو

راجا رشید محمود کی مطبوعہ کتب

مجموعہ ہائے نعت (Na'tiyah Poetry)

۱۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک۔ تیسرا ایڈیشن۔ ۱۹۹۳ (۱۳۶ صفحات)
۲۔ حدیثِ شوق۔ تیسرا ایڈیشن۔ ۱۹۸۶ (۱۷۶ صفحات)
۳۔ منشورِ نعت (اردو نعت کی تاریخ میں فردیات کا پہلا مجموعہ) ۱۹۸۸ (۱۷۶ صفحات)
۴۔ سیرتِ منظوم (قطعات کی صورت میں پہلی منظوم سیرت) ۱۹۹۲ (۱۲۸ صفحات)
۵۔ ۹۲ (نعتیہ قطعات) ۱۹۹۳ (۱۱۲ صفحات)
۶۔ شہرِ کرم (ہر شعر میں مدینۂ طیبہ کا ذکر) ۱۹۹۶ (۱۹۲ صفحات)
۷۔ مدیحِ سرکار ﷺ۔ ۱۹۹۷ (۱۲۸ صفحات)
۸۔ قطعاتِ نعت (۷۲ موضوعات پر ۳۹۶ قطعات) ۱۹۹۸ (۱۱۰ صفحات)
۹۔ حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ (ہر شعر میں درودِ پاک کا ذکر) ۱۹۹۸ (۱۵۳ صفحات)
۱۰۔ مخمساتِ نعت (اردو نعت میں مخمسات کا پہلا مجموعہ) ۱۹۹۹ (۱۱۲ صفحات)
۱۱۔ "منظومات" کے پہلے ۳۲ صفحات پر بھی نعتیں ہیں

مجموعہ ہائے نظم

(Poetry other than Na't)

۱۲۔ منظومات (نعتیں، مناقب، نظمیں) ۱۹۹۵ (۱۶۰ صفحات)
۱۳۔ راج دلارے (بچوں کے لیے نظمیں) تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۱ (۹۶ صفحات)

تحقیق و تجزیہ (Research and Analysis)

۱۴۔ نزولِ وحی۔ ۱۹۹۸ (۱۳۲ صفحات)
۱۵۔ شعبِ ابی طالب۔ ۱۹۹۹ (۲۱۶ صفحات)
۱۶۔ تسخیرِ عالمین اور رحمتِ للعالمین ﷺ۔ ۱۹۹۳ (۲۵۶ صفحات)
۱۷۔ پاکستان میں نعت۔ ۱۹۹۴ (۲۲۴ صفحات)

۱۸۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی۔ ۱۹۹۴ (۴۰۰ صفحات)
۱۹۔ خواتین کی نعت گوئی۔ ۱۹۹۵ (۴۳۶ صفحات)
۲۰۔ نعت کیا ہے؟ ۱۹۹۵ (۱۱۲ صفحات)
۲۱۔ اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔ اول۔ ۱۹۹۶ (۴۰۸ صفحات)
۲۲۔ اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا۔ دوم۔ ۱۹۹۷ (۴۰۰ صفحات)
۲۳۔ تحریکِ ہجرت ۱۹۲۰ (تاریخی و تحقیقی تجزیہ) ۱۹۸۲، ۱۹۸۶، ۱۹۹۴ (۴۶۴ صفحات)
۲۴۔ تختیم انتخاب "نعت کائنات" کا تحقیقی مقدمہ بڑے سائز کے ۸۰ صفحات (۳۵۵۰ سطور) پر مشتمل ہے
۲۵۔ ماہنامہ "نعت" کے مختلف شماروں اور دیگر رسائل و جرائد میں بیسیوں تحقیقی مقالات و مضامین شائع ہوئے

تقابلی مطالعہ

(Comparative Study of Na'tiyah Poetry)

۲۶۔ اقبال و احمد رضا: مدحت گرانِ پیغمبر ﷺ۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۲۔ انڈیا میں بھی چھپی (۱۱۲ صفحات)

سفرنامے (Travelogues)

۲۷۔ سفرِ سعادت منزلِ محبت (سفرنامۂ حجاز) ۱۹۹۲ (۲۲۴ صفحات)
۲۸۔ دیارِ نور (سفرنامۂ حجاز) ۱۹۹۵ (۱۱۲ صفحات)
۲۹۔ سرزمینِ محبت (سفرنامۂ حجاز) ۱۹۹۹ (۱۱۲ صفحات)

انتخابِ نعت (Selections of Na'tiyah Poetry)

۳۰۔ مدحِ رسول ﷺ (بچوں کے لیے) ۱۹۷۳ (۱۹۸ صفحات)
۳۱۔ نعتِ خاتم المرسلین ﷺ۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۳ (۱۶۴ صفحات)
۳۲۔ نعتِ حافظ (حافظ پیلی بھیتی کی نعتوں کا انتخاب) ۱۹۸۷ (۲۷۶ صفحات)
۳۳۔ قلزمِ رحمت (امیر مینائی کی نعتوں کا انتخاب) ۱۹۸۷ (۹۶ صفحات)

۳۴۔ نعت کائنات (اصنافِ سخن کے اعتبار سے ضخیم انتخاب) مبسوط تحقیقی مقدمے کے ساتھ۔ ۱۰۲۷ نعتیہ منظومات۔ جنگ پبلشرز کے زیرِ اہتمام۔ چار رنگا طباعت۔ ۱۹۹۳ (۸۱۶ صفحات۔ بڑا سائز)

۳۵۔ جنوری ۱۹۸۸ سے ماہنامہ "نعت" کی باقاعدہ اشاعتوں میں بیسیوں موضوعات اور دسیوں شعرا کی نعتوں کا انتخاب۔ (ماہنامہ "نعت" لاہور دسمبر ۱۹۹۹ تک کے پہلے بارہ برسوں میں ۷،۳۴۴ صفحات شائع کر چکا ہے)

۳۶۔ ماہنامہ "نعت" (دسمبر ۱۹۹۵) میں اردو کے اُس وقت تک شائع ہونے والے منتخبات نعت کا تذکرہ / تجزیہ و محاکمہ ہے

دیگر کتابیں (Books on other Topics)

۳۷۔ حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ۔ ۱۹۹۵ (۲۵۶ صفحات)

۳۸۔ میرے سرکار ﷺ۔ (مضامینِ سیرت) ۱۹۸۷ (۱۴۴ صفحات)

۳۹۔ حضور ﷺ اور بچے۔ ۱۹۹۳ (۱۱۲ صفحات)

۴۰۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ۔ ۱۹۹۱ (۴۸ صفحات)

۴۱۔ عظمتِ تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ۔ ۱۹۹۱ (۳۲ صفحات)

۴۲۔ قرطاسِ محبت (حُبِ رسول ﷺ کے مظاہر) ۱۹۹۲ (۱۴۴ صفحات)

۴۳۔ درود و سلام۔ ۱۹۹۳ سے ۱۹۹۹ تک دس ایڈیشن چھپے (۱۲۸ صفحات)

۴۴۔ احادیث اور معاشرہ۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۸۔ انڈیا میں بھی چھپی (۱۹۲ صفحات)

۴۵۔ ماں باپ کے حقوق۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۳ (۱۱۲ صفحات)

۴۶۔ حمد و نعت (تدوین) ۱۶ مضامین، ۴۹ منظومات۔ ۱۹۸۸ (۲۲۴ صفحات)

۴۷۔ میلاد النبی ﷺ (تدوین) ۱۶ مضامین، ۸۰ میلادیہ نعتیں۔ ۱۹۸۸ (۳۳۶ صفحات)

۴۸۔ مدینۃ النبی ﷺ (تدوین) ۱۶ مضامین۔ ۵۷ منظومات۔ ۱۹۸۸ (۲۲۴ صفحات)

----ملک کے مختلف علمی و ادبی جرائد اور اخبارات و رسائل میں سیکڑوں مضامین و مقالات----

مدیرِ اعلیٰ کی علمی، ادبی تنظیموں سے وابستگی

۱۔ صدر — ایوانِ نعت رجسٹرڈ۔ ۱۹۸۸ تا حال

۲۔ صدر — حلقۂ ادب۔ ۱۹۹۸، ۱۹۹۹

۳۔ جنرل سیکرٹری — مجلسِ سخن رجسٹرڈ۔ ۱۹۷۷ تا حال

۴۔ معتمدِ عمومی — انجمن خادمانِ اردو۔ ۲۶ نومبر ۱۹۶۶ تا حال

۵۔ رکنِ مجلسِ مشاورت — انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۶۵ تا ۱۹۸۲

۶۔ رکنِ مجلسِ منتظمہ — انجمن فروغِ عربی و فارسی۔ ۲۶ جون ۱۹۶۶ تا ۱۹۷۱

۷۔ رکن — پاکستان رائٹرز گلڈ۔ تا حال

۸۔ انجمن ترقی اردو لاہور کے زیرِ اہتمام ہونے والی اردو کانفرنسوں کا منصرمِ اعلیٰ۔ ۱۹۶۶ تا ۱۹۸۲

۹۔ فروغِ عربی و فارسی کانفرنس (اکتوبر نومبر ۱۹۶۶) کا معاون معتمد

۱۰۔ اردو تدریس کانفرنس لاہور (۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر ۱۹۷۱) کا رُکنِ مجلسِ استقبالیہ

صحافت سے وابستگی

۱۔ مدیرِ اعزازی — ماہنامہ "آستانۂ پاک" لاہور۔ ۷۳۔ ۱۹۷۴

۲۔ ایڈیٹر — پندرہ روزہ خبرنامہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور۔ ۱۹۷۰ تا ۱۹۷۹

۳۔ ایڈیٹر/ پبلشر — سہ ماہی "فروزاں" لاہور (علمی و تحقیقی مجلّہ) ۱۹۸۰ تا ۱۹۸۲

۴۔ مدیرِ اعزازی — ہفت روزہ "ملتان روڈ نیوز" لاہور۔ ۱۹۸۹، ۱۹۹۰

۵۔ ماہنامہ "نور الحبیب" بصیر پور۔ کالم "طلوع"۔ ۱۹۷۹ تا ۱۹۸۴

۶۔ ہفت روزہ "آئین" لاہور کے حصۂ نظم کا انچارج۔ ۱۹۶۵ تا ۱۹۷۰

۷۔ روزنامہ "جہاں نما" لاہور۔ کالم "حسبِ دستور"۔ ۲۴۔ اگست ۹۶ تا ۱۹ اپریل ۱۹۹۷ (۳۷ کالم)

۸۔ ماہنامہ "نعت" لاہور کا ایڈیٹر/ پبلشر۔ جنوری ۱۹۸۸ تا حال

***

بچوں کے لیے

۱۔ ساڑھے ۳۱ برس ویسٹ پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ (بعد میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ) کے تعلیمی شعبے سے انسلاک

۲۔ سینئر سبجیکٹ سپیشلسٹ (اردو) کی حیثیت سے ۱۹۹۵ کے اواخر میں ۱۹ ویں گریڈ میں ریٹائرمنٹ

۳۔ جماعت اول سے سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سکول تک کی اردو کتابوں کی نصاب سازی میں شمولیت اور تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت کی نگرانی

۴۔ اردو قاعدہ (برائے جماعت اول) کی ایڈیٹنگ پر وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان کا خصوصی ایوارڈ

۵۔ پورے ملک کے سب صوبوں کے لیے تیار کیے جانے والے اردو کے نصاب اور نصابی کتب کی تدوین و مشاورت اور حتمی منظوری کے لیے قائم کردہ "قومی ریویو کمیٹی" کی رکنیت

۶۔ آج کل اردو کی دوسری کتاب کی تصنیف / تالیف کا کام جاری ہے

۷۔ بچوں کے لیے نظموں کی کتاب "راج دُلارے" ۱۹۸۵، ۱۹۸۷، ۱۹۹۱ میں شائع ہوئی

۸۔ بچوں کے لیے ایک انتخابِ نعت "مدحِ رسول ﷺ" ۱۹۷۳ میں شائع ہوا

۹۔ ماہنامہ "اطفال" لاہور میں نظمیں، کہانیاں اور مضمون لکھے

راجا رشید محمود کے اعزازات

۱۔ قومی سیرت کانفرنس منعقدہ ۱۹۸۸ (اسلام آباد) میں صدارتی ایوارڈ بدست غلام اسحاق خاں (صدرِ مملکت)

۲۔ فروغِ نعت کے سلسلے میں تحقیقی کام کرنے پر قومی سیرت کانفرنس ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ میں وزیرِاعظم پاکستان محمد نواز شریف سے خصوصی صدارتی ایوارڈ

۳۔ مرکزی مجلسِ حسّانؓ، قصور کی طرف سے ۱۹۸۵ میں نعت ایوارڈ

۴۔ روزنامہ جنگ اور ہمدرد کتب خانہ کی طرف سے اشاعتِ نعت پر ۱۹۹۳ کا نعت ایوارڈ

۵۔ روزنامہ جنگ اور ہمدرد کتب خانہ کی طرف سے تحقیقِ نعت پر ۱۹۹۴ کا نعت ایوارڈ

۶۔ روزنامہ جنگ اور الہجویری کالجز کی طرف سے ۱۹۹۵ کا نعت ایوارڈ

۷۔ پاکستان نعت اکیڈمی، کراچی کی طرف سے فروغِ نعت کی منفرد اور نمایاں خدمات انجام دینے پر سلور جوبلی نعت ایوارڈ (۱۹۹۲)

۸۔ اردو قاعدہ (برائے جماعت اوّل) کی ایڈیٹنگ پر وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان کی طرف سے خصوصی ایوارڈ

۹۔ صوبائی سیرت کانفرنس ۱۹۹۹ (منعقدہ لاہور) میں سیرت ایوارڈ

۱۰۔ انجمن ترقی اردو کی خصوصی تقریب (۱۷۔ اکتوبر ۱۹۷۰) میں قومی زبان کے لیے نمایاں خدمات پر "نشانِ سپاس"

۱۱۔ ماہنامہ "نعت" کی مسلسل اشاعت کے آٹھ سال مکمل ہونے پر رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے "نشانِ سپاس" دیا۔ (تقریب فلیٹیز ہوٹل، لاہور۔ ۳۱ مارچ ۱۹۹۶)

۱۲۔ ماہنامہ "نعت" کی باقاعدہ اشاعت کے دس سال مکمل ہونے پر میاں محبوب احمد (چیف جسٹس شریعت کورٹ پاکستان) نے "حرفِ استحسان" دیا۔ (تقریب ۷ جون ۱۹۹۸)

***
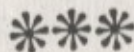
احترام قرآن و حدیث

قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی ﷺ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ ماہنامہ "نعت" کا ہر صفحہ حضور سرور کائنات علیہ السلام والصلوۃ کے ذکر پاک سے مزین ہوتا ہے۔ لہٰذا ماہنامہ "نعت" کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

XXX
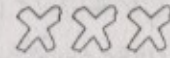
قارئینِ کرام سے دُعا کی درخواست

میری صلاحیتیں والدین کے حُسنِ تربیت کے باعث نعت کی خدمت کے لئے مختص ہوئی ہیں اور ماہنامہ "نعت" لاہور کا اجرا میرے والدِ مرحوم راجا غلام محمدؒ (متوفی ۱۶ مئی ۱۹۸۸ بروز پیر) اور میری والدہ مرحومہ نور فاطمہؒ (متوفیہ ۱۹۔ اگست ۱۹۹۰۔ بروز اتوار) کی اشیرباد سے ہوا۔ اس لئے اگر آپ کو ماہنامہ "نعت" میں کوئی چیز پسند آجائے تو ان کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا کریں۔

-------- ایڈیٹر۔

پندرہ جلدوں پر مشتمل، مبسوط سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی جلد

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن

شہناز کوثر (ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور کی تصنیف)

جس میں

* حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن اور لڑکپن کے واقعات کا سال بہ سال ذکر کیا گیا ہے۔
* سیرت نگاروں کی لغزشوں پر بے باکانہ گرفت کی گئی ہے۔
* حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت کے بارے میں قلمکاروں کی بے احتیاطیوں کی نشاندہی ہے۔
* حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرورش کرنے والے دس بزرگوں کا پہلی بار تذکرہ کیا گیا ہے۔
* حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک شفیق بزرگ پر لگائے جانے والے الزامات کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔
* بچپن میں ہونے والے معجزات کے حوالے سے اس مفروضے کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔
* تجزیہ کیا گیا ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان واقعی اتنا غریب تھا کہ کوئی دائی ادھر کا رخ نہیں کرتی تھی یا حضرت حلیمہؓ اس مقصد کے لیے چن لی گئی تھیں۔

کتابت و طباعت معیاری۔ صفحات ۳۵۲ ۔ قیمت ایک سو ساٹھ روپے

ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ

شہناز کوثر کی پانچویں صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب

(اس سے پہلے اُنہیں قوسِ قزح پر ۱۹۹۱ کا، حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت پر ۱۹۹۲ کا، حضور ﷺ کا بچپن پر ۱۹۹۳ کا اور حضور ﷺ کی معاشی زندگی پر ۱۹۹۴ء کا صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے)

ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ کی فہرستِ مندرجات:

ہجرت کا معنیٰ و مفہوم۔ قرآنِ پاک میں ہجرت کے احکام۔ احادیثِ مقدسہ میں ہجرت کے احکام و واقعات۔ ہجرت کی ضرورت و اہمیت۔ انبیاءِ سلف کی ہجرت۔ ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ کی انفرادیت۔ ہجرت کرنے اور نہ کرنے کی وجوہ۔ موانعاتِ ہجرت اور ان کا قرآنی حل۔ ہجرت، مدینہ ہی کی طرف کیوں۔ صحابۂ کرامؓ کی ہجرت۔ مہاجرین انصار۔ ہجرت کرنے والوں پر مظالم۔ حضور ﷺ کے خلاف سازش۔ مکہ میں حضور ﷺ کا آخری حکم۔ حضور ﷺ کا غارِ ثور میں قیام۔ غارِ ثور سے قُبا کی طرف سفر۔ سفر میں حضور ﷺ کی معاونت کرنے والے۔ راستے میں حضور ﷺ سے ملنے والے۔ ہجرتِ مدینہ کے دوران معجزات۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد مکہ میں رہنے والے۔ قُبا میں حضور ﷺ کا استقبال۔ حضور ﷺ کے قُبا میں پہنچنے کی تاریخ۔ قبا میں حضور ﷺ کا قیام۔ قبا میں حضور ﷺ سے ملنے والے۔ مسجدِ قبا کی تعمیر۔ مسجدِ قبا کی تعمیر میں حصہ لینے والے۔ حضرت ابُو ایّوب انصاریؓ کے ہاں قیام۔ ہجرت کے اثرات و فوائد۔

صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: ۱۰۰ روپے (مجلّد)

اختر کتاب گھر، اظہر منزل نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور

ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ

شہناز کوثر کی پانچویں صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب

(اس سے پہلے اُنہیں قوسِ قزح پر ۱۹۹۱ کا' حیاتِ طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت پر ۱۹۹۲ کا' حضور ﷺ کا بچپن پر ۱۹۹۳ کا اور حضور ﷺ کی معاشی زندگی پر ۱۹۹۴ء کا صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے)

ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ کی فہرستِ مندرجات:

ہجرت کا معنیٰ و مفہوم۔ قرآنِ پاک میں ہجرت کے احکام۔ احادیث مقدّسہ میں ہجرت کے احکام و واقعات۔ ہجرت کی ضرورت و اہمیت۔ انبیاءِ سلَف کی ہجرت۔ ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ کی انفرادیت۔ ہجرت کرنے اور نہ کرنے کی وجوہ۔ موانعاتِ ہجرت اور ان کا قرآنی حل۔ ہجرت' مدینہ ہی کی طرف کیوں۔ صحابۂ کرامؓ کی ہجرت۔ مہاجرین انصار۔ ہجرت کرنے والوں پر مظالم۔ حضور ﷺ کے خلاف سازش۔ مکّہ میں حضور ﷺ کا آخری حکم۔ حضور ﷺ کا غارِ ثور میں قیام۔ غارِ ثور سے قُبا کی طرف سفر۔ سفر میں حضور ﷺ کی معاونت کرنے والے۔ راستے میں حضور ﷺ سے ملنے والے۔ ہجرتِ مدینہ کے دوران معجزات۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد مکہ میں رہنے والے۔ قُبا میں حضور ﷺ کا استقبال۔ حضور ﷺ کے قُبا میں پہنچنے کی تاریخ۔ قبا میں حضور ﷺ کا قیام۔ قبا میں حضور ﷺ سے ملنے والے۔ مسجدِ قبا کی تعمیر۔ مسجدِ قبا کی تعمیر میں حصہ لینے والے۔ حضرت ابُو ایّوب انصاریؓ کے ہاں قیام۔ ہجرت کے اثرات و فوائد۔

صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: ۱۰۰ روپے (مجلّد)

اختر کتاب گھر' اظہر منزل نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور